تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ
مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد نمبر ۲۶ | ۱۰ر دسمبر سنہ ۱۹۸۸ مطابق ۲۹ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۹ھ | شمارہ نمبر ۳

اداریہ

محمد رابع ندوی

ہمارے معاشرہ کے قابلِ اصلاح پہلو

افراد انسانی کا اجتماعی ڈھانچہ جس کو سماج کے لفظ اور معاشرہ کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے صالح تشکیل و تنظیم کے بعد ہی مطلوبہ اور اچھے نتائج پیدا کرتا ہے، اسکے متعین طرزِ عمل کی پابندی سے ہی ثقافت، تہذیب اور متعدد سماجی قدروں کا ظہور ہوتا ہے جن سے انسانی زندگی کی رنگارنگی ظاہر ہوتی ہے نیز ایک معاشرہ دوسرے معاشرہ کے مقابلہ میں اپنی خصوصیات کا مظاہرہ کرتا ہے۔

کسی بھی انسانی سماجی ڈھانچہ کی زندگی کا طرز بنانے میں حکومت وقت اور اجتماعی کام کرنے والی انجمنوں اور سماجی مصلحین کا بڑا کردار ہوتا ہے، یہ کام حکومتوں کا ہوتا ہے کہ سماج کے بڑے ڈھانچہ کو شائستہ رکھنے کے لئے وہ اپنے وسائل اور دلچسپی کو بروئے کار لائے، اسمیں نظام تعلیم اور انتظامی تدابیر سے کام لینا پڑتا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ مشرقی حکومتیں اس سلسلہ میں بہت کوتاہی برتتی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مشرق میں حکومتوں کو اپنے اقتدار کے بقاء کے لئے جو توجہ کرنا ضروری پڑتی ہے اسمیں انکی جد وجہد کا بڑا حصہ صرف ہوجاتا ہے، اس طرح قوم کی اخلاقی خوبی، اسکی تہذیبی درستگی اور سماجی شائستگی کا کام بہت کم ہو پاتا ہے۔

ترقی یافتہ مغربی ممالک میں سماجی نظم وضبط کی خاصی فکر کی جاتی ہے، لیکن مشرق ومغرب کی زندگیوں کے فلسفے الگ الگ ہیں، اس لئے مغربی ممالک کی اختیار کردہ تمام تدابیر مشرقی ممالک کی فکر سے پوری ہم آہنگی نہیں رکھتی ہیں مغربی ممالک میں زیادہ اہتمام نظم وضبط، تعلیم وصنعت نیز ظاہری صفائی تک محدود ہے مادی نفع وضرر پر اسکی فکر مرکوز رہتی ہے، اسکے برعکس مشرقی قوموں میں مذہبی وانسانی اقدار سے زندگی کو استوار کرنے کی فکر ہوتی ہے، اور نظم وضبط وصفائی اور تعلیم کے معاملہ میں انسانی قدروں اور تقاضوں کا لحاظ کیا جاتا ہے، لیکن عصر جدید میں ہمارے مشرقی معاشروں کی حالت بہت گر گئی ہے اور خرابی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، بہر حال اجتماعی زندگی کی صالح اور با اخلاق تشکیل و تنظیم وہ عمل ہے جس کے ذریعہ کوئی انسانی معاشرہ جنگل کے معاشرہ سے برتر اور بہتر بنتا ہے، اور اس سلسلہ میں غفلت کرنے سے جنگل کے معاشرہ سے قریب تر ہو جاتا ہے، اس لئے ذی علم وحساس افراد کو اپنے معاشرہ کی بہتری کے لئے اسلامی تعلیمات کے مستند ذخیرہ میں سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر خاصا مواد ملتا ہے، حضور محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تربیت کا کوئی اہم پہلو نہیں چھوڑا ہے۔ سب کیلئے واضح ہدایات دی ہیں اور اس طرح انسانوں کی سماجی زندگی کو ستھرا اور شائستہ بنانے کی کوشش کی ہے، آپ کی یہ کوشش صرف فکر وہدایات کے دائرہ تک محدود نہیں رہی بلکہ انسانوں کے جس معاشرہ سے حضور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست واسطہ پڑا آپ نے اسکی عملاً تربیت فرمائی اور یہ تربیت بے مثال ثابت ہوئی، پوری انسانی تاریخ میں اس معاشرہ سے اچھا معاشرہ آج تک قائم نہیں ہوسکا اور آئندہ بھی اسکی توقع نہیں یہ وہ معاشرہ ہے کہ کم از کم مسلم معاشروں پر اسکی نقل کرنے کی کوشش کرنا رہتی دنیا تک فرض ہے، بلکہ یہ معاشرہ تمام انسانی معاشروں کے لئے بھی بہترین اسوہ اور معیار ہے، غیر مسلم معاشرے بھی اگر اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں تو اسکے مفید نتائج کا وہ بھی تجربہ کر سکتے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سماجی تعلقات و معاملات کے تمام قابل عمل پہلوؤں کی تحسین واصلاح پر زور دیا ہے اور اتنا زور دیا ہے کہ انکی فضیلت یا خرابی مذہب ومذہبی خوبی یا خرابی سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے، آپ کے ارشادات سے

مجلسِ ادارت

شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

خط وکتابت کا پتہ
نیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء، لکھنؤ،
انڈیا

زرِ تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے
ششماہی : پچیس ۲۵ روپے
فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرونِ ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر
افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر
یورپ وامریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دین وادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

سیرتِ رسول کے دو بنیادی تقاضے

عقیدہ اور عمل

(محمد حنیف ملی۔ معہد ملت مالیگاؤں)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین آفاقی اور قیامت تک رہنے کے لئے آیا ہے جسکی ضمانت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر دے دیا ہے کہ روئے زمین اور فضائے کائنات میں کوئی کچا پکا مکان ایسا نہ ہوگا جو میری تعلیمات اور میری شریعت سے متاثر نہ ہو آپ کی ذات گرامی اسلامی شریعت کے لئے نقطۂ آغاز تھی جیسا کہ قرآن کریم نے سورہ فتح میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک وسیع وعریض دائرہ بن گیا جسمیں کالے گورے، عجمی عربی، آقا وخادم بادشاہ اور غلام، تاجر اور کاشتکار عالم وجاہل سب نظر آرہے ہیں آپنے آدم کے گھرانے کو ان کا اصلی رشتہ یاد دلایا، انکی ہمدردی میں انسانیت کا درد بانٹتے رہے اور یہ اعلان فرمادیا کہ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کا خمیر مٹی سے تیار ہوا ہے اسلئے ظاہری امتیاز ونسب خداری کے لئے کوئی چیز نہیں، آپنے وہ تمام دیواریں گرادیں اور خلیجیں پاٹ دیں جو اس زمانے کے سورماؤں نے علاقائی، نسلی، لسانی، خاندانی اور تہذیبی بنیادوں پر قائم کیا تھا اور اس موہوم فاصلہ کو کم کرکے بتادیا کہ بنی آدم ایک دوسرے کے لئے انسانی جسم کے اعضاء کی طرح ہیں کہ اگر ایک عضو درد، کبیدگی، سوزش، حرارت اور بے چینی محسوس کرتا ہے تو سارا جسم انسانی متاثر ہوتا ہے اور شعوب وقبائل کی اگر اسلام نے کسی درجہ میں رعایت کی ہے تو وہ تعارف کیوجہ سے ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت کیوجہ سے بڑھتے ہوئے فاصلوں کو بھی ختم کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ عصبیت اور جاہلیت کا نعرہ لگانے والے کی مثال ایسی ہے کہ اونٹ منھ کے بل کنوئیں میں گر جائے اور اسے دم پکڑ کر نکالا جائے ہے اسی طرح اپنے قبیلے، خاندان، جماعت کی غلط راہ پر ہونے کے باوجود حمایت کرنا بھی ناپسندیدہ ہے۔

دین کی اس آفاقیت اور بقاء کا راز اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے دو بنیادی اور اساسی حقیقت پر رکھا ہے جسے اسلامی شریعت میں عقیدہ اور عمل سے تعبیر کرتے ہیں، اسمیں بھی اول الذکر کی حیثیت سنگِ بنیاد یعنی بنیادی پتھر کی ہے جس کے بغیر اس دنیا میں بندہ کا بڑے سے بڑا اچھا عمل اسکی نجات کے لئے کافی نہ ہوگا دنیا میں ایمان کی دولت سے محروم رہنے کے باوجود ایسے انسانوں کی کمی نہیں جو اچھائیوں اور انسانی خوبیوں کے خوگر ہوتے ہیں لیکن انکی یہ اچھائیاں دنیاوی درجات کی بلندی اور راحت وآرام کا سبب تو ہوسکتی ہیں آخرت میں اس پر کچھ ملنے والا نہیں ہے ایسے اچھے انسانوں کی نظیریں عہد رسالت میں بھی مل جائیں گی یہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ہیں جو قبولِ اسلام سے پہلے بھی نماز، روزہ صدقہ خیرات میں لگے رہتے تھے، غلاموں کو آزاد بھی کیا کرتے تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اللہ کے نبیؐ سے عرض کیا کیا مجھے عہد جاہلیت کی اچھائیوں پر اجر ملے گا، آپؐ نے اس پر فرمایا "اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ مِنَ الْخَیْرِ"، جو نیکیاں تم نے عہد جاہلیت میں کی ہیں اسلام اسی کا صلہ ہے اب آخرت کے لئے جو نیکیاں کروگے اس پر تمہیں پروانۂ نجات ملے گا، معلوم ہوا کہ کوئی اچھا کام عقیدہ سے محروم رہ کر طاعت، قربت اور عبادت کا درجہ نہیں حاصل کرسکتا، اللہ کے نبیؐ کی سیرت یہ بتاتی ہے کہ آپنے سب سے پہلے دل کے نہاں خانوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کے یقینِ کامل سے آباد وشاداب رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ ارشاد ہے مَنْ مَاتَ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ دنیا سے جائے گا جنت کا حقدار ہوگا کہیں فرمایا مَن کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ جسکی زندگی میں آخری کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ کہیں فرمایا "فقد حرمہ اللہ علی النار" ایسا خوش نصیب جہنم پر حرام ہوگا، ایک یہودی نوجوان جو اللہ کے نبی کا خادم تھا جب وہ مرنے لگا تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ طیبہ کی تلقین کی وہ لڑکا اپنے باپ کو دیکھنے لگا، باپنے کہا "اَطِع ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم" ابو القاسم کی بات مان لو، چنانچہ اس نے مرتے وقت کلمہ پڑھا اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے حسن خاتمہ اور توفیق پر خداوند عالم کا شکریہ ادا فرمایا، حضرت سفیان بن عروہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے جب عرض کیا کہ اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بنیادی بات تلقین فرمادیں تاکہ آپ کے بعد کسی سے دریافت کرنے کی ضرورت باقی نہ رہ جائے تو آپ نے اسی عقیدہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا "قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ"، یہ کہہ لو کہ میں خدا پر ایمان لے آیا اور اس پر قوت سے جم جاؤ، عقیدہ توحید ورسالت آپ کی سیرت کی وہ اہم تعلیم ہے کہ جسے سب کھو کر بھی بچا لیا جائے تو بڑی سعادت اور کامیابی ہوگی، ایک صحابی سے آپ نے فرمایا لا تشرک باللہ وإن قتلت أو حرقت "خدا کے ساتھ ہرگز شرک نہ کرنا چاہے تمہیں جلا دیا جائے یا قتل کردیا جائے اس روایت نے بتایا کہ سیرت کا اہم عنصر عقیدہ توحید ورسالت ہے اس راہ میں اگر جان بھی چلی جائے تو یہ سستا سودا ہے صحابہ نے اپنے اندر سیرت کے اس اہم عنصر کو اپنایا تو کلمۂ حق بلند کرنے کے لئے سربکف نکلنا، خاک وخون میں تڑپنا، اذیتوں سے گزرنا، تختۂ دار پر لٹکنا اور میدان جنگ میں طبل کی آواز سننا ان کے لئے آسان ہوگیا ان اذیتوں سے گزر کر جب وہ منزل جاناں میں قدم رکھتے تھے تو زخموں سے چور اور لہو میں غرق ہوتے تھے لیکن لب پر فزت ورب الکعبۃ کا نعرۂ مستانہ ہوتا تھا۔

کہتے ہیں اسکے مختلف اجزاء ہیں اور جسے ایمان مفصل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ خدا ایک ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اللہ کے سچے رسول ہیں فرشتوں کا وجود برحق ہے، خدا نے انہیں نور سے پیدا کیا ہے وہ سرچشمۂ خیر ہیں وہ نہ مذکر ہیں نہ مؤنث وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہیں۔ خدا کی تحمید وتسبیح ہی انکی غذا ہے ان میں سے کچھ بارگاہ سے متعلق ہیں اور کچھ کارگاہ سے، وہ اپنا مستقل وجود رکھتے ہیں، آسمانی کتابیں برحق اور سچی ہیں، وہ خدا کا کلام ہیں خدا کی ذات جس طرح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اسی طرح اس کا کلام بھی ازلی ہے، آخرت برحق ہے، تقدیر کے فیصلے سچے ہیں، قبر کا عذاب اور اسکی راحتیں بھی حقیقت ہیں، جنت اور جہنم بھی مخلوق اور برحق ہیں، پل صراط اور میزان عمل بھی حق ہیں، ان اجزاء میں کسی ایک کی طرف سے بھی رتی برابر شک ہوا تو پھر ایمان کی خیر نہیں اس لئے سیرت کا اولین تقاضہ یہ ہے کہ دل کو ٹٹول کر دیکھیں کہ یہ اجزاء دامن دل سے وابستہ ہیں یا نہیں اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے افلا یتدبرون القرآن أم علی قلوب اقفالہا یہی دل کی پختگی اور عقیدہ کا وہ استحکام تھا جس نے خطرناک وادیوں اور دشمن کی مجموعی یلغار کے باوجود اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں جنبش نہیں آنے دی اور آپ خطروں میں گھر کر فرماتے تھے ولا تحزن إن اللہ معنا اور میدان جنگ میں دشمن کی بپھری ہوئی جمعیت کو تن تنہا فرماتے تھے۔

اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ٭
اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ

میں عبد المطلب جیسے بہادر انسان کا سپوت ہوں جو پشت دکھانا نہیں جانتا، اور میں سچا نبی ہوں جسمیں کوئی غل وغش نہیں سیرت کا یہ اہم گوشہ ہم سے چھوٹ چکا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر طرح کی نکبت اور ذلت کے بادل ہم پر منڈلا

یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ان میں کمزوری ہے تو عبادت میں زیادتی بھی کام نہیں آسکتی بلکہ وہ ضائع ہو جاتی ہے۔

لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے مصلحین کی توجہ ان امور پر اتنی صرف نہیں ہو رہی ہے جتنی ہونا چاہئے اسکی وجہ سے معاشرتی زندگی میں بعض ایسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں جن سے اسلامی معاشرہ کا پورا چہرہ گندہ ہو جاتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ ایسے ایسے مسائل بھی کھڑے ہو جاتے ہیں کہ معاشرہ مختلف قسم کی کشمکشوں، پریشانیوں اور افراتفریوں کا شکار ہو رہا ہے، ان میں سب سے زیادہ قابل ذکر آپس کا تفرقہ خود رائی، خود غرضی اور بے غیرتی کی برائیاں ہیں جن سے ملت اسلامیہ دوچار ہو رہی ہے، ان باتوں کا اثر آپس کے ربط وتعلق پر پڑتا ہے اور ان سے چھوٹی بڑی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مسلم معاشرہ ہم سب کے مجموعہ کا نام ہے، کوئی عیب اگر ہم کو اپنے کسی بھائی یا دوست میں نظر آتا ہے تو ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ہم میں بھی ہو سکتا ہے، شاید شکل بدلی ہوئی ہو، دوسرے کے اندر عیب دیکھ کر عیب کو محسوس کر لینا اور اسکے ازالہ کی کوشش کرنا بڑی سمجھ کی بات ہے۔

مسلم معاشروں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو اسکی خرابیوں کے بڑے اسباب ہیں اس دائرہ کی بہت سی برائیاں ملیں گی، حالانکہ مسلم معاشرہ کو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے جو تعلیمات ملی ہیں ان میں اسکی طرف بہت توجہ دلائی گئی ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا "إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ" اور حضور صلی اللہ نے فرمایا کہ "لَنْ يُؤْمِنَ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ" اور فرمایا "اَلْمُسْلِمُ لِلْمُسْلِمِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا" یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو صرف اپنا بھائی ہی نہ سمجھے بلکہ اسکے لئے پسند بھی وہی کرے جو اپنے لئے کرتا ہے، ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ایسا تعلق پیدا کرے جیسا کسی عمارت کی اینٹوں کے درمیان ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو تھامتی اور مضبوط بناتی ہیں۔

اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اپنے معاشرہ پر جب نظر ڈالتے ہیں [illegible]

مایوسی ہوتی ہے، ہم اس کا معاملہ تعلیمات اسلامی سے بالکل برعکس پاتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو عملاً اپنے بھائی کا مقام بالکل نہیں دیتا، اور اگر بعض اثرات کی وجہ سے کسی حد تک بھائی کا مقام دیتا ہے تو اسکے مفادات کو وہ درجہ نہیں دیتا جو اپنے مفادات کو دیتا ہے، بلکہ مسلمان معاشروں میں یہ بات صاف طریقہ سے دیکھی جا سکتی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے صرف اپنے ذاتی مفاد کے دائرہ ہی میں تعلق رکھتا ہے، اگر اس کا ذاتی مفاد کا معاملہ نہ ہو تو پھر اس کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی، مال کے خریدنے بیچنے میں، اخلاق وسلوک برتتے ہیں دوستی دشمنی کرنے میں، تعلقات قائم کرنے اور توڑنے میں اسلام کے مقرر کئے ہوئے اخلاق بالکل نظر نہیں آتے، رہا یہ کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اسکے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے تو اس کا تو تصور بھی مشکل ہو گیا ہے، اور رہی یہ بات کہ اسکی اصل وجہ خود غرضی کا وہ چلن ہے جو غیر مسلموں سے مسلمانوں میں پوری طرح منتقل ہو گیا ہے، بلکہ غیر مسلم سے منتقل ہونے کی کیا ضرورت خود آدمی کا نفس ہی اس کام کو انجام دے لیتا ہے، یہ نفس وہ نفس ہے جو اسلامی تعلیمات کے اثر سے بالکل بے نیاز ہو گیا ہے۔

مسلمانوں کے اندر اس خود غرضی کے پھیلنے کے بعد اسکے اثرات مسلم معاشرے کے پہلوؤں میں بہت نمایاں ہو گئے ہیں اس خود غرضی کے اثرات اسوقت سیاسی اور اقتصادی پہلوؤں میں زیادہ نمایاں ہیں، سیاسی زندگی میں مسلمانوں کی شدید بدحالی میں اسی خود غرضی کا دخل زیادہ ہے، ہر ایک شخص قائد تو بننا پسند کرتا ہے، لیکن تابع بننے کے لئے تیار نہیں اور ظاہر ہے کہ کسی جماعت یا گروہ میں صرف ایک ہی قائد ہو سکتا ہے، اور جب کئی شخص قائد کے لئے کوشاں ہوں گے تو وہ گروہ گندگی اور انتشار کا شکار ہو جائے گا، اور اس سے کمزور ہو کر دشمن سے مار کھائے گا اور کسی بھی خطرہ کے مقابلہ سے قاصر رہے گا اور یہی اس وقت مسلمانوں کی جماعتوں [illegible]

مسجدوں کی ہنگامی کمیٹیوں کی کہانی ہے کہ امام کو اپنا فریضہ اور ذمہ داری سمجھنے کے بجائے ارکان حضرات کے حکم وانتظام کو اپنا حق زیادہ سمجھنے لگے ہیں، اور پھر اس رسہ کشی میں انجمن یا ادارہ برباد ہو جاتا ہے یا ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

یہ بات کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے اور اس کے مفادات کو وہی اہمیت دے جو اپنے مفادات کو دیتا ہے ایک خواب بن چکی ہے۔ جس کا علم کتابوں میں ہوتا ہے یا ذہن میں ایک دھندلا تصور لایا جا سکتا ہے، حالانکہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھنا وہ طاقت ہے جس پر مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا بڑی حد تک انحصار ہے، اور ملت کی تاریخ میں بے شمار کامیابیاں اسی سے پیدا ہوئی ہیں اور آج بھی کسی درجہ میں یہ تصور عمل میں آتا ہے تو وہ کامیابیاں حاصل ہونے لگتی ہیں، اور یہ وہ طاقت ثابت ہوتی ہے جس سے دوسری ملتیں اور قومیں مسلم ملت پر رشک کرتی ہیں۔

اس بھائی چارہ میں گورے کالے کا، آقا غلام کا، دولت مند غریب کا، حاکم اور محکوم کا اور طاقتور وکمزور کا فرق ختم ہو جاتا ہے، جس کی مثال اس سے ملتی ہے کہ بلالؓ حبشی، صہیبؓ رومی، سلمانؓ فارسی اور ابوبکر قرشیؓ سب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں نہ صرف اکٹھا ہو گئے بلکہ دوست ساتھی اور ہم پیالہ وہم نوالہ بن گئے، غلام وآقا کا فرق اٹھا تو دنیا نے یہ نمونہ بھی دیکھا کہ عظیم القدر مسلم حاکم خلیفہ ثانی عمر فاروقؓ بیت المقدس میں عنان اقتدار سنبھالنے کیلئے داخل ہوتے ہیں اور خود پیدل ہیں اور ان کا غلام سواری پر، کیونکہ سواری ایک تھی اور یکے بعد دیگرے اس پر بیٹھتے تھے اور شہر میں داخل ہوتے ہوئے غلام کی باری تھی لہٰذا وہ قائم رہی۔

وطنیت کا فرق اس طرح مٹایا کہ ایرانی نژاد سلمانؓ فارسی احاطہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور محمد بن عبداللہ قریشی عربی فرماتے ہیں کہ سلمان [illegible]

مثل گھر والوں کے ہیں

اور آپ حجۃ الوداع کے موقع پر بانگ دہل اعلان فرماتے ہیں کہ عربی کو عجمی پر اور عجم کو عرب پر گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں سوائے اسکے کہ اس میں نیکی واحتیاط ہو، سب آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم کی تشکیل مٹی سے ہوئی ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کے ساتھ معاملہ اسی کے مطابق رہا، آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ اور انکے بیٹے اسامہ بن زید سے اپنے بھتیجوں اور نواسوں کی طرح شفقت کا معاملہ کیا۔

یہ وہ اخوت تھی جس نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا، مشرق سے مغرب تک اسکے آثار ونتائج سامنے آنے لگے اور ایک ہی برادری میں ہندی وترکی رومی وایرانی، عرب وبربر، مصری وحبشی اکٹھا ہو گئے، لیکن آج ہم پھر ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں اور ہم کو اپنے رنگ ونسل پر فخر ہونے لگا ہے، پھر آپس میں مزید دوری بڑھ گئی ہے اور ہم ایک دوسرے کے معاملہ میں خود غرضی اور نفس پرستی کا شکار ہو چکے ہیں، اپنے فائدہ کو صرف ترجیح دیتے ہی نہیں ۔۔۔ بلکہ اپنے مفادات کے سامنے دوسرے کے ہر طرح کے نقصان کو قبول کر لیتے ہیں، اور ہر مسلمان کا مزاج صرف اپنے مفاد پر نظر رکھنا بن چکا ہے اور ہماری ملی زندگی اسی عیب سے تار تار ہے۔

ضرورت اس وقت سب سے زیادہ اس بات کی ہے کہ ہم انفرادی مفادات کی فکر اجتماعی مفادات کو قربان کر کے نہ کریں اور اپنے فائدہ کے حصول میں خود غرضی کا ثبوت نہ دیں، اس کے لئے بہترین اصول وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا کہ اپنے بھائی کیلئے وہی چاہیں جو اپنے لئے چاہتے ہیں، ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھے گا تو اس کے مفادات کو نقصان پہونچانا تو بڑی بات ہے اس کا کسی طرح کا نقصان گوارا نہ کرے گا، اس کی بے عزتی اور بدنامی کو قبول نہ کرے گا، نہ خود اسکے دل کو دکھائے گا، اور نہ کسی اور کو اس کا دل دکھانے دے گا بلکہ اسکی ترقی [illegible]

امت مسلمہ کو قرآنی انتباہ

جو لوگ ظالم ہیں انکی طرف مت جھکو

طلباء دارالعلوم کے سامنے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا اہم خطاب
بہ ناقل: شکیل الرحمن پیامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم! لَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝

(اے مسلمانو) ان ظالموں کی طرف مت جھکو کبھی تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے اور (اسوقت) خدا کے سوا تمہارا کوئی رفاقت کرنیوالا نہ ہو، پھر حمایت تو تمہاری ذرا بھی نہ ہو)

میرے عزیزو اور بھائیو! میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی ہے، ہم میں سے اکثر عربی جانتے ہیں، لیکن بعض دفعہ زبان کا جاننا، بلکہ اس سے بھی زیادہ زبان جاننے کا احساس وشعور اور دعویٰ حجاب بن جاتا ہے مفہوم صحیح تک رسائی سے، اسلئے کہ وہ الفاظ جو آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں آئے ہیں وہ اکثر عربی زبان کے الفاظ ہیں عربی تحریروں میں، اشعار اور ادب کی کتابوں میں اور عام بول چال میں استعمال کئے جاتے ہیں، تو یہ شخصی معرفت حجاب بن جاتی ہے، کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم تو اس کا معنی جانتے ہیں، لیکن جیسا کہ میں نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا ہے اور تقریروں میں کہا ہے کہ الفاظ کا بھی درجہ حرارت وبرودت ہوتا ہے، دیگر اشیا کی طرح ان کا بھی ٹمپریچر ہوتا ہے، اسکو وہ لوگ سمجھتے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ شرح صدر کی دولت عطا فرماتا ہے، اور اہل زبان کی کتابوں کے مطالعہ، انکی صحبت اخلاص اور دعا سے انکو قرآنی الفاظ سے مناسبت ہو جاتی ہے اور آدمی انکی طاقت کو تھوڑا سمجھنے لگتا ہے (پوری طرح سمجھنے کا دعویٰ تو کوئی نہیں کر سکتا)

اس آیت کا جو زور ہے اسکی وجہ سے ہمیں کہنا پڑا کہ ہماری عربی فہمی حجاب بن سکتی ہے، آیت کے ہر لفظ کے معنی ہمیں معلوم ہیں، لیکن آیت کی جو روح ہے اس کا جو [illegible] سمجھنا آسان نہیں۔

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ تمہارا دل مائل نہ ہونے پائے، تمہارے اندر قلبی رجحان نہ ہونے پائے ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا ہے جنکی زندگی سیدھے راستے سے ہٹی ہوئی ہے اور جو خدا سے بُعد اختیار کئے ہوئے ہیں فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ، ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آگ کی لپٹ تم تک بھی پہونچ جائے گی آگ تم کو بھی چھولے گی، وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ اور پھر اللہ کی ولایت سے تم محروم کر دیئے جاؤ گے اور کوئی تمہاری مدد بھی نہیں کر سکے گا۔

آپ کو معلوم ہے کہ جب اسلام کا ظہور ہوا تو اس وقت دنیا میں دو طرح کی قومیں پائی جاتی تھیں، ایک مذہبی قومیں، جنمیں یہود ونصاریٰ سب سے آگے تھے، اسی طرح بدھ مت کی ماننے والی اور برہمنیت پر اعتقاد رکھنے والی ہندوستانی قوم، ان مذہبی قوموں میں یہود کے متعلق قرآن میں آیا مغضوب علیہم ان پر غضب الٰہی نازل ہوا اور نصاریٰ کے متعلق آیا کہ وہ ضالین ہیں، اور ان مذہبی قوموں کے علاوہ جو لوگ صریح شرک وبت پرستی میں مبتلا تھے ان کے متعلق صاف اعلان فرمایا۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ (بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو نا بخشیں گے کہ انکے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اسکے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دیں گے)

انکے علاوہ کچھ اور قومیں تھیں جو مذہب کی قید سے آزاد تھیں، لیکن اپنے طرز عمل، اپنے ظالمانہ کردار، اپنی عیش پرستی، اپنی تعلیمات آسمانی سے روگردانی، اپنے فسق وفجور، دنیا پرستی [illegible]

کے غضب کی مستحق ہو گئی تھیں، اور انکو اللہ نے اپنے رحمت اور لطف ومحبت کی نگاہ سے دور کر دیا تھا، انکی تہذیب وثقافت، تمدن ومعاشرت اور وضع وہیئت سب پر اللہ تعالیٰ کے غضب کی اور نفرت کی نگاہ پڑی، اور اللہ نے ان کو اپنے سایۂ رحمت اور اسباب رحمت سے محروم کر دیا، حدیث میں اس کا مجموعی جائزہ آیا ہے، الفاظ بہت ہی غور طلب ہیں، فرمایا اللہ کے رسول نے "إِنَّ اللَّهَ نَظَرَ إِلَىٰ أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ" یہ الفاظ بہت ہی چونکا دینے والے ہیں، اللہ تعالیٰ (جو عالم الغیب والشہادہ ہے) کی نظر اہل زمین پر پڑی، "فمقتھم" اللہ کو ان سے نفرت وکراہت ہوئی، وہ خدا کو ناپسند آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو راندۂ درگاہ کر دیا، عربھم وعجمھم کیا عرب اور کیا عجم، (اس جرم میں سب برابر کے شریک تھے) "إلا بقايا من أهل الكتاب"، بس اہل کتاب میں گنے چنے لوگ بچے تھے جو صحیح راستہ پر قائم تھے۔

یہ صورت حال تھی جس وقت حضور کی بعثت ہوئی ہے، اسوقت کچھ مذہبی قومیں تھیں ان میں سے کوئی اپنی مذہبی نافرمانیوں کی وجہ سے اور تعلیمات آسمانی کی ناقدری وتحقیر کی وجہ سے اور احکام الٰہی کو پامال کرنے کی وجہ سے مغضوب ہوا اور کوئی ضال کہلایا، انکے علاوہ دنیا میں جو تہذیب وتمدن کے مرکز تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی نگاہ خیر پڑی اور وہ اپنے تمدن وتہذیب، طرز معاشرت اور وضع وہیئت سب کے ساتھ اللہ کو ناپسند آئے اللہ تعالیٰ کی کراہت انکے ساتھ شامل ہو گئی، یہاں تک کہ انکی صورت بھی اللہ کے یہاں قابل نفرت ٹھہری اور اس نسبت کا انتقال ہوا، حضورؐ کی طرف سیرت کی کتابوں میں آتا ہے اور ہم اسے بار بار پڑھتے ہیں اسلئے اس کا احساس نہیں ہوتا اور یہی انسانی فطرت کا حال ہے کہ جب آپ شہر جاتے ہیں تو جن بورڈوں پر آپ کی نظر پڑتی ہے انکے پڑھنے کی آپ کے اندر تحریک پیدا نہیں ہوتی، اسی طرح جو لوگ [illegible]

اندر، تھوڑے دنوں میں اسکی کشش ختم ہو جاتی ہے اور نظر پڑتے پڑتے وہ روزمرہ کی چیز بن جاتی ہے اور پھر آدمی اسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتا، اتنا بھی وقت اسکے پاس نہیں ہوتا۔ تو حدیث میں آتا ہے کہ جسوقت ایرانی بادشاہ نے ایک شخص کو یمن بھیجا (جہاں ایرانیوں کا اقتدار تھا) اور ہدایت کر دی کہ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اسے گرفتار کر کے لے آؤ، اس لئے کہ وہ عرب کو سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے بالکل رحم وکرم پر ہیں، ہم جب چاہیں ان پر اپنا اقتدار جما سکتے ہیں، عرب میں کوئی کشش کی چیز نہیں تھی، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی سامان تھا کہ اس نے عرب کو ہزاروں برس سے ایسا رکھا کہ فاتحین کی، حوصلہ مندوں کی اور اقتدار پرستوں کی اس طرف نظریں اٹھتی نہیں تھیں، وہ سوچتے تھے کہ وہاں جا کر لے گا کیا؟ اڑتی ہوئی خاک، دھول اور صحرا، اونٹوں کے بالوں اور کھالوں کے خیمے کچے پکے مکانات، وہاں سوائے اسکے کہ ہم اپنی محنت ضائع کریں اپنا وقت گنوائیں کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، پٹرول اسوقت تک نکلا نہیں تھا، نہ سونے چاندی کے پہاڑ یا کان تھے تو اس (ایرانی بادشاہ) نے بڑی تحقیر کیساتھ کہا کہ ایک آدمی جائے اور اسے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو) گرفتار کر کے لے آئے وہ شخص جب آیا تو حضورؐ نے نظر ہٹالی، اور فرمایا کہ اسکی داڑھی منڈی ہوئی ہے اور ہمارے ملک میں اس کا رواج نہیں مجھے اسکی طرف دیکھنا پسند نہیں آتا۔

اس کا بہت کم لوگوں کو اندازہ ہے کہ بعثت نبوی کے وقت جو دنیا میں تہذیبیں، ملکی ومعاشرتی نظام اور صورت وہیئت تھی وہ بھی اللہ کی نظر میں اور دوسرے نمبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ وحی کے حامل اللہ تعالیٰ کے پہلے مخاطب اور اسکی رحمتوں کے مہبط ومحل تھے) پر اس کا عکس پڑتا تھا اللہ تعالیٰ کو اس زمانے کی ساری تہذیبیں وضع وہیئت حتی کہ اس زمانے کے لباس بھی ناپسند ہوئے، اور یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو جب کسی سے کسی بنا پر نفرت ہوتی ہے تو قدرتی بات ہے کہ اسکی ہر چیز نگاہ میں کانٹے کی [illegible]

تک دیکھنا برداشت نہیں کرتا۔

ہمارے ذہن میں یہ ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں احکام شرعی میں اور دین کی زبان میں دو ہی چیزیں ہیں، مثلاً یہ کفر ہے یہ ایمان ہے، یہ حلال ہے یہ حرام ہے، یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے، لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ انکے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جنکو بعض دفعہ حرام اور کفر کہنا مشکل ہوگا لیکن وہ چیزیں دو خانوں میں تقسیم کیجا سکتی ہیں ایک وہ جو اللہ کو پسند ہیں اور دوسری وہ جو اللہ کو ناپسند ہیں یہ اصول قرآن مجید کے مطالعہ سے، کتاب و سنت کے علم سے مزاجِ نبوی کے جاننے سے، صحابۂ کرام کے طرز فکر سے اور سوچنے سمجھنے کے پیمانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ علاوہ کفر و ایمان کے، علاوہ حلال و حرام کے اور علاوہ جائز و ناجائز کے بھی کچھ چیزیں ہیں، اور وہ کیا ہیں، وہ ہیں رہنے سہنے کا طریقہ، صورت اور شکل، شعار اور پہچان اور دنیا میں تجمل و زینت کے اسباب کے اقسام۔

تو جو وقت حضورؐ کی بعثت ہوئی اور اسلام آیا تو مطالبہ صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ دعوتِ ایمانی اختیار کرو اس پر ایمان لاؤ اور اس کے قائل ہو، شرک سے توبہ کرو اور کفر سے بچو، بلکہ ایک پوری تہذیب بھی دی گئی ایک پورا طرز زندگی بھی ملا، اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ یہ وضع اختیار کرو اس پر اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی و رحمت کی نگاہ پڑتی ہے، اور ان سے بچو کہ یہ راندۂ درگاہ اور مغضوب علیہم قوموں کا شعار ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے تخریب کا کام لیا اور جن پر اللہ کا عتاب ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی یہ تعلیم دی ہے کہ تم بھی انکو قابل نفرت سمجھو یہ بہت بڑا دین کا ایک نکتہ میں بیان کر رہا ہوں جس پر بہت سے اچھے اچھے لوگوں کی نظر نہیں ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں فرض و واجب تو نہیں ہیں، اس سے کفر و فسق تو لازم نہیں آتا، صحیح ہے آپ جب کسی ذمہ دار اور مفتی صاحب سے پوچھیں گے اور ان کو فتویٰ دینا اور حکم شرعی بیان کرنا ہو تو یہی کہے گا کہ یہ نہ کفر ہے نہ شرک، اللہ تعالیٰ کی معتوب قوموں، اور نعمت اسلام کا انکار اور ناقدری کرنے والی قوم اور اپنی جگہ پر مستقل رہنے والی قوم اور نفس پرست و دنیا پرست، دولت پرست، اقتدار پرست اور خواہشات نفس کی پیروی کرنے والوں کا شعار ہیں، اور اسمیں انکی وضع و صورت بھی نظر آتی ہے، کہ جو دولت ایمان سے محروم ہیں، اور بعثت نبوی کے وقت بھی محروم رہیں اور برابر ان کا سلسلہ جاری ہے یا ان کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں انہوں نے وہ قدیم راستہ اختیار کیا ان سب کی وضع و صورت میں داخل ہے۔

ایک مسلمان، جو دینی مزاج پیدا کرنا چاہتا ہے، اور صرف احکام ظاہری کا پابند نہیں بلکہ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور حضور کی دعاؤں کا مستحق بننا چاہتا ہے، اور اسکو یہ خیال ہے کہ اللہ کے رسول کو ہمیں اپنی صورت دکھانی ہوگی، شکل دکھانی ہوگی، یا اسکو خیال ہے کہ قبر میں فرشتے آئیں گے، سوال و جواب کریں گے، یا پھر میدانِ حشر کا کوئی تصور اسکے سامنے ہے اگر یہ بھی نہیں تو کم از کم اتنا سمجھتا ہے کہ خدا کے یہاں اسکے ذات کا، جذبات کا، پسندیدگی و ناپسندیدگی کے اظہار کا پورا ذخیرہ موجود ہے، اس میں اور آنکھوں سے دیکھ لینے میں کوئی فرق نہیں جہاں تک تعلق ہے حجت اور قطعیت کا، تو کتاب و سنت کے مطالعہ سے، احادیث اور سیرت نبوی کے ذخیرہ سے جو باتیں بدرجۂ یقین ہم تک پہونچ گئی ہیں ان میں اور مشاہدہ میں کوئی فرق نہیں، اور ہونا بھی یہی چاہئے، ایمان کی کمزوری ہے کہ اس میں فرق سمجھے، تو ایسے شخص سے مطالبہ ہے کہ وہ غیر مسلموں کی، مذہبی اقوام کی، اسلام سے نفرت کرنے والوں، اسلام کے خلاف محاذ جنگ قائم کرنے والوں اور اسلام کی تہذیب و معاشرت کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے والوں کی تہذیب اور شکل و صورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے۔

اور میں اس کو محض جزوی مسئلہ، محض نقلی چیز اور محض کمالی چیز نہیں سمجھتا کہ اللہ جس کو توفیق دے میرے نزدیک نماز و روزہ، اور حج و زکوٰۃ (ارکانِ اربعہ) کا مقام اپنی جگہ پر ہے، عقائد کا مقام اپنی جگہ پر ہے، لیکن اسکے ساتھ غیر مسلموں کی وضع و ہیئت، غیر مسلموں کی تمدن و تہذیب اور اقدار و معیار (جنکو عربی میں اَلقِیَمُ و المُثُلُ اور انگریزی میں IDEAL AND VALUES کہتے ہیں) ان سے بھی مسلمانوں کے دل میں نفرت ہونی چاہئے، بُعد ہونا چاہئے، ان سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

یہ اس آیت کا مفہوم ہے "وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"، اگر انکی طرف میلان ہو جائے، مثلاً آپ ان کو احترام اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگیں، آپ کسی انگریز کو، کسی امریکن کو، کسی یورپین کو (جبکہ وہ پورا مجسمہ ہو اپنی تہذیب کا اور جبکہ وہ کسی انٹرویو کے لئے نکل رہا ہو، یا آفس کو جا رہا ہو) آپ نے اگر اسکی طرف اس طرح نظر اٹھائی کہ بھائی، ترقی یافتہ آدمی تو یہ ہے متمدن آدمی تو یہ ہے، معاشرت تو یہ ہے، دیکھئے صبح کو دیر میں اٹھتے ہیں، اس کے بعد داڑھی بناتے ہیں، نہاتے ہیں اس کے بعد نئی پوشاک پہنتے ہیں پھر ناشتہ کرتے ہیں اور پھر آفس جاتے ہیں، یونیورسٹی جاتے ہیں، یہ ہے انضباط، یہ ہے باقاعدگی، یہ ہے ڈسپلن، یہ ہے زندگی گزارنے کا نمونہ۔ آپ یاد رکھئے اگر آپ کے دل میں یہ خیالات آگئے۔ تو اس وقت اگر کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو، کوئی صاحبِ کشف ہو، تو وہ دیکھے گا کہ آپ کے ایمان میں خلل پڑ گیا۔

ہم سے یہ مطالبہ ہے صاف سن لیجئے اور خاص طور پر طالبان علوم نبوت سے یہ مطالبہ ہے کہ صرف یہی نہیں کہ وہ نمازوں کی پابندی کریں اور صرف فعل حرام اور منہیات سے اجتناب کریں بلکہ یہ بھی کہ وہ اپنے اس دین پر اور اس تمدن و تہذیب پر فخر کریں جو اللہ کا رسولؐ لایا اور صحابہ کرام نے کر کے دکھایا اور کہاں کہاں کر کے دکھایا روم و شام کی راجدھانیوں میں، دمشق حلب اور انطاکیہ میں پھر قسطنطنیہ اور مدائن و عراق کے بڑے بڑے شہروں میں۔ مجھے اس وقت ایک بات یاد ہو کر گئی، وہ کھانے کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انکے ہاتھ سے کھانے کی کوئی چیز گر گئی انہوں نے اٹھایا، اور ہاتھ سے پوچھا اور منھ میں رکھ لیا تو کسی نے بڑے تعجب اور حقارت آمیز لہجہ میں کہا آپ اتنے بڑے (گورنر کے) عہدہ پر ہو کر یہ کرتے ہیں لوگ کیا کہیں گے تو انہوں نے فرمایا أأترك سنة حبيبي لأحمق مثلك "کیا میں اپنے حبیب کی سنت تیرے جیسے احمق کیوجہ سے چھوڑ دوں گا۔

اور ابھی ابھی ایک مسودہ دیکھ کر آرہا ہوں، کہ حضرت عمرؓ جو بیت المقدس کا چارج لینے کے لئے (جبکہ اسکی کنجیاں حوالہ کی جانے والی تھیں) جا رہے تھے اور سارے اہل روم اور مفتوحہ و غیر مفتوحہ علاقے کے تماشائی جمع تھے اور سب کی نگاہیں اٹھی ہوئی تھیں کہ امیر المؤمنین آرہے ہیں خلیفۂ اعظم آرہے ہیں، وہ جنہوں نے رومیوں اور ایرانیوں کے اقتدار کو خاک میں ملایا، اور پاؤں سے روند ڈالا، وہ کس دبدبہ کی ہستی ہوگی، کس شان کے بادشاہ ہوں گے مگر اسوقت انکے جسم پر پیوند لگے ہوئے کپڑے تھے اور معمولی قسم کا گھوڑا تھا، وہ اسی شان میں جا رہے تھے، جب منزل قریب آئی تو ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا، اے امیر المؤمنین دوسرا کپڑا زیب تن فرمالیں اور سواری تبدیل فرمالیں تو اچھا ہو، حضرت عمرؓ نے فرمایا اے عبیدہؓ کاش تمہاری زبان سے یہ جملہ نہ سنتا تم نے نہ کہا ہوتا تو اچھا تھا تمہاری زبان سے سن رہا ہوں تم کہتے ہو کہ لوگ کیا کہیں گے، لوگوں کی نظر پڑے گی ـــ سو بار پڑے گی، جب اللہ و رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں، اور جب اللہ و رسولؐ سے محبت ہے، اللہ پر پورا اعتقاد، بھروسہ اور یہ یقین ہے کہ وہیں سے عزت و ذلت ملتی ہے قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (اے محمدؐ) آپ (اللہ تعالیٰ سے) یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دے دیتے ہیں اور جس سے چاہیں لے لیتے ہیں اور جسکو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جسکو آپ چاہیں پست کر دیتے

جس کی نظر اس آیت کریمہ پر ہو وہ ان فاسقوں اور مشرکوں کی نگاہوں کو کوئی وزن دے گا کہ وہ امیر المؤمنین کے متعلق کیا رائے قائم کرتے ہیں، اس کی کوئی حقیقت ہے جبکہ عزت و ذلت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے" ـــ اسلئے بڑے درد کے ساتھ کہا" ولاغیرك قالها یا ابا عبیدة، ابو عبیدہ کاش تمہاری زبان سے یہ جملہ نہ سنتا کسی اور نے کہا ہوتا۔ ہم سب سے زیادہ ذلیل و خوار انسان تھے، اللہ نے اسلام کے ذریعہ ہم کو عزت دی، مهما طلبنا العز بغیر الاسلام اذلنا الله، ہم اسلام کے علاوہ جس راستہ سے بھی عزت طلب کریں گے اللہ تعالیٰ ذلیل و خوار فرمادے گا۔

اور اس کو تم بھی سن لو اے علوم دینیہ کے طالبو اور دار العلوم کے فرزندو تم جس راستہ سے عزت طلب کروگے اللہ و رسولؐ کے راستہ کے علاوہ، انکی معاشرت و تہذیب کے راستہ کے علاوہ، انکی سنت کی پیروی کے راستہ کے علاوہ، علماء کا شعار اختیار کرنے کے راستہ کے علاوہ، لکھ لو، ابھی سے لکھ لو کہ حقیقی عزت تمہیں نہیں ملے گی، خوب دیکھا ہے۔ میں نے امریکہ اور یورپ میں جا کر، ہم نے بڑی سے بڑی مجلسیں دیکھیں، بڑے سے بڑے سیمنار ATTEND کئے اور بڑے سے بڑے اہم لوگوں سے، مسلمان بادشاہوں اور صدر و مملکت سے ملے، لیکن معلوم ہوا کہ عزت و ذلت کا سارا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ اسکے ارادہ سے ہے' نہ کسی کے پیمانہ سے ہے نہ کسی کے معیار سے ہے۔

کوئی بھی مدرسہ دینی ہو وہاں صرف اتنا مقصود نہیں کہ نماز کی پابندی کیجائے بے شک اوّل نمبر پر نماز کی پابندی کی جائے اور ناجائز کاموں سے بچا جائے مگر یہ بھی مطلوب ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام، سلف امت اور اولیائے امت اور وہ لوگ جن کی وجہ سے یہ دنیا بچی ہوئی ہے جن کی وجہ سے بارہا اللہ نے اس دنیا کو تباہی سے بچایا، مجددین اسلام، مصلحین، مجاہدین فی سبیل اللہ شہدائے کرام ان سب کے طریقے کو انکی وضع و معاشرت کو اور انکی شکل و صورت کو ان کے شعار کو ہم فوقیت دیں، انکی عزت

میں آپ کو بتاتا ہوں اور مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے بڑے بھائی مولانا ڈاکٹر عبد العلی صاحب (اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں ان پر) نے دار العلوم میں تعلیم پائی، یہاں کی سند بھی انکے پاس تھی پھر دار العلوم دیوبند گئے، حضرت شیخ الہند کے بڑے عزیز شاگرد تھے۔ اسکے بعد اپنے والد صاحب سے حکمت پڑھی، پھر حکیم اجمل خاں صاحب کے مطب میں چھ مہینے بیٹھے اور ڈاکٹر انصاری کے پاس بھی آنا جانا تھا اسکے بعد بالکل ابتداء سے انگریزی پڑھنی شروع کی انہوں نے، اور یہ بیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ ہے، شاید میری پیدائش سے پہلے کی بات ہو، اسوقت انگریزوں کا آفتاب اقبال پورے عروج پر تھا اور یہ مشہور بات تھی کہ انکی مملکت میں سورج غروب نہیں ہوتا، اسوقت کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی انگریزوں کے اقتدار، تہذیب اور نظام تعلیم کی تنزلی کی (تحریک خلافت یا تحریک آزادی کے بعد سے انکے زوال کا سلسلہ شروع ہوتا ہے) انگریز اس وقت اس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جیسے وہ بادشاہی کے لئے ہی پیدا ہوا ہے یا وہی آئیڈیل انسان ہے، اسکے زیادہ ترقی یافتہ اور مہذب انسان کوئی ہو نہیں سکتا ـــ بہرحال۔ بھائی صاحب نے نویں درجہ میں داخلہ لیا، وہاں سے میٹرک پاس کر کے ایسے کالج میں داخل ہوئے جو عیسائی مشنری اور عیسائی۔ ادارہ کا کالج تھا۔ اور وہ مضامین لئے جنمیں زیادہ اختلاف ہوتا ہے بڑے بڑے ماہرین فن کو یعنی سائنس، اور وہاں سے پاس کر کے CULVING COLLEGE میں داخلہ لیا اور پورے کالج ہی نہیں بلکہ پوری الٰہ آباد یونیورسٹی (جو ہندوستان کی دوسری یونیورسٹی تھی) سکنڈ پوزیشن لائے ـــ اس کے بعد میڈیکل کالج میں داخلہ لیا جب کہ انگریز ہی پرنسپل ہوتا تھا۔ اور انگریز پروفیسران کی غالب اکثریت ہوتی تھی اور ہمیں معلوم ہے کہ اسوقت اکثر انگریز اسٹاف ہوتا تھا۔ اور میڈیکل کالج میں رئیس زادے اور کھاتے پیتے لوگ داخل ہوتے تھے۔ کتابوں کی قیمت بہت ہوتی تھی، اور بڑی محنت پڑتی

میں داخل ہوئے اور میڈیکل کالج سے ایم، بی، بی، ایس کر کے نکلے میں گواہی دیتا ہوں خدا کے گھر میں بیٹھ کر، نہ انکے جوتے میں فرق آیا، نہ کرتے کے بجائے قمیص آئی اور نہ داڑھی میں ذرہ برابر فرق آیا ـــ اور حالت انکی یہ تھی۔ انہوں نے خود بیان کیا کہ سالانہ امتحان میں جبکہ بالکل پر مارنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، سخت نگرانی ہوتی تھی۔ انگریز ہی نگراں اور پروفیسر ہوتے تھے، نہ کوئی کسی سے پوچھ سکتا تھا اور نہ اپنی جگہ سے ہل سکتا تھا، لیکن وہ کہتے تھے کہ جب نماز کا وقت ہوا، تو میں اٹھا، اپنی شیروانی بچھائی اور نماز کی نیت باندھ لی، نماز پڑھنے کے بعد وہ پروفیسر جو وہاں نگرانی کر رہے تھے انہوں نے کہا "مسٹر حسنی! اگر تم نے پہلے بتا دیا ہوتا تو میں تمہارے لئے مصلّے کا انتظام کر دیتا"۔ یعنی بجائے اسکے کہ وہ کچھ احتجاج کرے، اس نے احترام کی نگاہ سے دیکھا۔ بھائی صاحب شہر کے ایک کامیاب ڈاکٹر تھے، بڑی بڑی کمیٹیوں میں جاتے تھے، مجھے خوب یاد ہے جب کالج کا پرنسپل کسی مریض کو خود دیکھنے نہیں جاتا تھا تو کہتا تھا، مسٹر حسنی! میری جگہ تم چلے جاؤ، اتنا اعتماد تھا انکی فن دانی، انکی محنت اور لیاقت پر، اسی حالت میں وہ ملک عبد العزیز سے بھی ملے اور ہندوستان کے بڑے بڑے لوگوں سے بھی ملتے تھے یہ ہے استقامت اور اس استقامت کا سب سے زیادہ ثبوت ہم لوگوں کو دینا چاہئے۔

اور یاد رکھئے، کوئی تعلق عزت کا، احترام کا، یہاں تک کہ بحیثیت کا لباس اور شکل و صورت سے نہیں ہے، بلکہ انسان کے کیرکٹر سے ہے، خود اعتمادی سے ہے، انسان کی قابلیت سے ہے۔ دنیا کی جو سب سے بڑی معزز اور علمی یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے۔ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی ہے، وہاں کے وائس چانسلر اور پرنسپل کے پاس اسی لباس میں جاتا ہوں نہ میری شیروانی پر فرق آتا ہے نہ ٹوپی پر، مگر وہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اگر آپ ان سے میرے خط و کتابت کے طریقے دیکھیں تو اندازہ ہوگا۔

اور میں نے ان کے گھر میں جا کر جبکہ انکے چوٹی کے لوگ جمع تھے، بڑے بڑے دانشور موجود تھے، اسی طرح انکے سامنے تقریر کی، اور کہا، کہ آپنے اگر اسلامی سینٹر یہاں قائم کیا ہے تو کوئی احسان نہیں کیا ہے، بلکہ یہ ایک خراج ہے جو آپنے شرافت کے ساتھ اور شکر گزاری کے ساتھ ادا کیا ہے۔ اسلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت آج دنیا زندہ ہے اسلئے اپنی موت کے پروانے کو بھیجدیا تھا کہ نسل انسانی زندہ رہنے کے لائق نہیں ہے، رسول اللہؐ کے صدقے میں اس نسل انسانی کو باقی رکھا گیا، تو آج اگر آپ اپنی یونیورسٹی میں اسلامی سینٹر قائم کرنے کی اجازت دیتے ہیں تو آپنے کوئی احسان نہیں کیا،

عزیزو! یاد رکھو، یہ سب موہومات و تصورات ہیں کہ فلانی صورت بنانے سے یہ ہو جائے گا اور فلانی شکل بنانے سے یہ ہو جائے گا۔ اصل چیز ہے آدمی کا جوہر ذاتی، اصل ہے اس کا تعلق مع اللہ، اصل ہے اسکی قوت ایمانی اصل ہے اسکی صلاحیت کار، اصل ہے اسکی فرض شناسی، آپ شرعی صورت رکھئے، خدا پر اعتماد کیجئے، ہمت کیساتھ باہر نکلئے، اور ذرا نہ شرمائیے اپنی شکل و صورت سے، اور اتباع سنت کی کوشش کیجئے، عزت آپ کے لئے ہے اور انشاء اللہ بہتر سے بہتر مواقع آپ کو ملیں گے ـــ اس آیت کو یاد رکھئے۔ "رکون" کا لفظ بڑا نازک لفظ ہے۔

بس اتنا ہی آپ سے ہم کو کہنا ہے آپ کی سعادت مندی اور آپ کی فہم سے ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ آپ اس پر عمل کریں گے اور بالکل بے پروا ہو جائیں گے، سنتوں کا اتباع کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ان صحابی کی قبر کو نور سے بھرے (اور بھری ہوگی) انہوں نے کس قوت ایمانی کے ساتھ کہا أأترك سنة حبيبي لاحمق مثلك تم جیسے احمق کے لئے اپنے حبیب کی سنت چھوڑوں گا۔ تو ہم بھی کہیں گے کہ تم جیسے ضمیر فروشوں کے لئے، جن کو آج یہ خرید سکتا ہے

دینی تعلیمی کونسل آندھرا پردیش کی ایک سالہ کارکردگی

از ۔ جناب محمد مظہر علی صاحب
آفس سکریٹری، دینی تعلیمی کونسل
آندھرا پردیش

ہندوستانی مسلمان اس وقت بہت سے مسائل سے دوچار ہیں، تہذیبی تشخص معاشی اور اقتصادی پسماندگی، ان کی سیاسی قدر وقیمت جدید تعلیم میں ان کی ترقی اور پیش قدمی کے لئے جدوجہد، اسلامی عبادت گاہوں کی حفاظت، ملی اداروں اور تنظیموں کا استحکام، باہمی اتحاد واتفاق ـــــ لیکن ان سب سے اہم مسئلہ آئندہ مسلمان نسلوں کو اسلام پر برقرار رکھنے اور دین حق سے ان کا رشتہ استوار رکھنے کا ہے اگر اس کی فکر نہ کی گئی تو مستقبل میں اس سے بڑا کوئی خطرہ نہ ہوگا بلکہ مسلمانان ہند کی تاریخ کیلئے اس سے بڑا کوئی حادثہ اور سانحہ نہ ہوگا،

حکومت ہند کی تعلیمی اور لسانی پالیسی اب کوئی قابل غور چیز باقی نہیں رہ گئی ہے، آزادی کے بعد معیشت وملازمت سے اردو کا رشتہ کاٹ کر سب سے پہلے کہنا چاہئے کہ مسلمانوں کی زبان کاٹ لی گئی، گزشتہ ایک صدی میں اسلام کا پورا سرمایہ اردو زبان میں تیار ہوا جو اپنے علمی وزن، موضوع کی وسعت اور کثرت کے اعتبار سے عربی زبان کے بعد اپنی نظیر آپ ہے، حکومت کی اس لسانی پالیسی نے مسلمان بچوں اور نسلوں کو بہ یک جنبش قلم اس عظیم ورثہ سے محروم کرنے کا کام کیا ہے، دوسری طرف نظام تعلیم کو سیکولر بنانے کا نعرہ لگایا گیا جو اہل نظر کے نزدیک محض ایک فریب ہے، اسکولوں اور کالجوں کی تمام نصابی کتابیں اس وقت ہندو رجعت پسندی، ہندو تاریخ کے احیاء، ہندو شخصیات کی بالاتری کا مظہر، یہاں تک ہندو عقائد وتصورات کی ترجمان بنی ہوئی ہیں، جو اردو سے ناواقف مسلم طلبہ کے اندر بجا طور پر کمتری اور محرومی کا احساس پیدا کرتی ہیں، اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کتابیں ایسے مضامین سے پر ہیں جن میں اسلامی معاشرت، اسلامی قانون، اسلامی تاریخ اور خود پیغمبر اسلام پر حملہ کیا جاتا ہے، عورتوں کے بارے میں اسلامی قانون کو غیر منصفانہ ٹھہرایا جاتا ہے

قرار دیا جاتا ہے، ہندوستان کی مسلم تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا جاتا ہے اور اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد کی تو ایسی تصویر کھینچی جاتی ہے جیسے وہ تاریخ کے سب سے بڑے مجرم ہوں

ان ہی حالات کو سامنے رکھکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی صدارت میں ۱۹۵۹ء میں بمقام بستی دینی تعلیمی کانفرنس "منعقد ہوئی" اور مسلمانوں کو نئی نسل کو دین سے مربوط رکھنے کی غرض سے "دینی تعلیمی کونسل" کی تشکیل عمل میں آئی، اتر پردیش میں کونسل گزشتہ سالوں سے اس سلسلہ میں نہایت مثبت اور مفید خدمت انجام دے رہی ہے، اور تاحال اس کے تحت دس ہزار مدارس سرگرم عمل ہیں، نومبر ۱۹۸۶ء میں کونسل کا اجلاس مشرقی یوپی کے مشہور شہر "بنارس" میں منعقد ہوا اس اجلاس میں کونسل کے دائرہ کار میں توسیع کا فیصلہ کیا گیا، اور اتر پردیش سے باہر اسکی شاخوں کے قیام سے متعلق تجویز پاس ہوئی، اسی تجویز کے مطابق کونسل کے موجودہ جنرل سکریٹری ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب نے جناب سید جمیل الدین صاحب کو آندھرا پردیش میں کونسل کے قیام کے لئے کنوینر مقرر فرمایا،

چنانچہ موصوف نے کام کی توسیع کیلئے فی الحال ایک مختصر سی کمیٹی تشکیل دی جو دینی تعلیمی کے تجربہ کار اور ماہر اساتذہ و اہل علم مدارس کے منتظمین اور ملی مسائل سے ربط رکھنے والے اہل درد اور اہل دانش پر مشتمل ہے، جن میں مولانا محمد رضوان القاسمی امام وخطیب مسجد عامرہ عابد روڈ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں؛

جناب سید جمیل الدین صاحب کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اضلاع اور

میں کونسل کی طرف سے ایک آئیڈیل درسگاہ قائم کی جائے تاکہ کام کرنے والوں کیلئے ایک نمونہ موجود رہے اور ان کو از سر نو تجربات کی منزل سے گزرنا نہ پڑے، نیز اس کی افادیت بھی ملاحظہ کی جاسکے، اسی مقصد کیلئے ۲۷ر اپریل ۸۷ء کو دینی تعلیمی کونسل آندھرا پردیش کے تحت ارم کاٹج اعظم پورہ، حیدرآباد میں کونسل کے دفتر "ندوہ بکڈپو" دارالمطالعہ اور دینی تعلیمی مرکز" کا افتتاح عمل میں آیا، اسی دن ۵ بجے شام بعد نماز عصر افتتاحی اجلاس منعقد ہوا تلاوت قرآن کے بعد جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے کونسل اور اس کے تحت قائم ہونے والی درسگاہ کے بارے میں تعارفی کلمات کہے، اور اس کی افادیت واضح کی، اور اس تقریب کے مہمان خصوصی مولانا عبدالکریم صاحب پاریکھ (ناگپور) نے اپنے اثر انگیز اور مبسوط خطاب کے بعد دعا فرمائی، اس مرکز کے تحت ڈیڑھ گھنٹہ صباحی، ڈیڑھ گھنٹہ مسائی تعلیم کے علاوہ بالغوں کیلئے بھی بنیادی تعلیم کا انتظام کیا گیا اس مرکز نے بہت جلد قبولیت اور توجہ حاصل کرلیا یہاں تک کہ اس وقت جب کہ سال ختم ہو رہا ہے، درسگاہ سے استفادہ کرنے والے طلبہ و طالبات کی تعداد چار سو سے متجاوز ہو چکی ہے اور دس مدرسین مصروف خدمت ہیں ان مدرسین کو فی گھنٹہ ۱۲ روپیہ دئے جاتے ہیں اس طرح اس مرکز میں مدرسین کی تنخواہ کے ماہانہ اخراجات مبلغ پانچ ہزار ہوتے ہیں، علماء کا ایک سہ رکنی بورڈ جو مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا سید اکبر الدین قاسمی پر مشتمل ہے باضابطہ انٹرویو کے بعد مدرسین کا تقرر کرتا ہے، اس لئے بحمداللہ مدرسہ کو ذی استعداد علماء وحفاظ سے استفادہ کا موقع حاصل ہے، ـــــ معمر خواتین اور قریب البلوغ لڑکیوں کی تعلیم کیلئے ایک معلمہ کا نظم بھی کیا گیا ہے جو بہت اچھی طرح قرات اور تجوید کے فن سے واقف ہیں؛

اس مرکز کے قیام، اس کے مفید تجربات اور لوگوں کی طرف سے مانگ اور خواہش کے بعد اسی طرح کے تین اور مراکز قائم ہوئے جو شہر اور اس کے مضافات میں ہیں، ایک مسجد ابوہریرہؓ کوتہ پیٹ میں جہاں صباحی اور تعلیم بالغان کا نظم ہے اور طلبہ وطالبات کی تعداد ساٹھ سے متجاوز ہے، یہ مرکز مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، رکن کونسل کی زیر نگرانی ہے، دوسرا عنبر پیٹ میں غوثیہ میموریل

اور مسائی تعلیم کا نظم ہے، طلبہ وطالبات کی تعداد ۸۰ ہے اور علاء الدین انصاری ایڈوکیٹ رکن کونسل اس کے ذمہ دار ہیں، تیسرے مدرسہ تجوید القرآن ریاست نگر میں یہاں بھی حافظ بلال صاحب کی نگرانی میں صباحی اور مسائی تعلیم کا نظم ہے ـــــ اس طرح ان درسگاہوں سے مستفیدین کی تعداد ۵۰۰ اور مدرسین کی تعداد ۱۴ تک پہونچ گئی ہے ان درسگاہوں میں بعض ضروری مذہبی اور قومی تعطیلات کے علاوہ کوئی تعطیل نہیں رکھی گئی ہے اور نہ ہی مدرسین کیلئے رخصتیں ہیں تاکہ تعلیم کے تسلسل میں کوئی فرق نہ آنے پائے؛

ان درسگاہوں کے ذریعہ جہاں مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم ضروری ہے، وہیں نئی نسل کی اسلام اور اردو زبان سے وابستگی کیلئے ضروری ہے کہ اسلامیات کے وسیع تعمیری اور مفید لٹریچر سے بھی ان کا رشتہ تازہ رکھا جائے ان کیلئے مطالعاتی کتب فراہم کی جائیں اور ان کی قوت خرید کا خیال رکھتے ہوئے رعایتی نرخ پر کتابیں فراہم کی جائیں یہ تصور عرصہ سے جناب جمیل الدین صاحب کے ذہن میں تھا ـــــ لیکن اس وقت حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ سے تعلق اس کا خاص محرک بنا، ۱۴ر اکتوبر ۸۲ء میں حضرت والا سے پہلی دفعہ موصوف کو ملاقات کا شرف حاصل ہوا جبکہ مجلس علمیہ کے زیر اہتمام انہیں کی رہائش گاہ "ارم کاٹج" میں آپ کا خطاب ہوا اس پہلی ملاقات ہی نے دل پر گہرا اثر ڈالا، پھر آپ کے کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا اور اس کی اثر انگیزی، ذہن کو اپیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت اور زمانہ اور وقت کے اسلوب میں مسائل پر بحث نے اسی نقش کو عمیق سے عمیق تر کر دیا اور نئی نسل میں اس لٹریچر کو عام کرنے کی ضرورت کا ان کو شدت سے احساس ہوا؛

اب جب کونسل اور اس کے تحت تعلیمی مرکز کے قیام کی بات ہوئی تو اس قدیم آرزو نے پھر کروٹ لی، اور اسی مقصد کے تحت تعلیمی مرکز کے ساتھ ساتھ موصوف ہی کی مساعی سے بنام خدا "دارالمطالعہ ندوہ" کے نام سے لائبریری اور "ندوہ ایجنسی" کے نام سے ایک بکڈپو کا قیام بھی عمل میں آیا، جو تبلیغی اور دعوتی مقصد کے تحت ۲۵ر فیصد رعایت کے ساتھ کتب فراہم کرتا بحمداللہ اس دارالمطالعہ اور ایجنسی سے لوگ بڑی تعداد میں مستفید ہو رہے ہیں، ان میں یوں تو اردو

مفید اور مؤثر لٹریچر فراہم کئے گئے ہیں، لیکن خصوصیت سے حضرت مولانا علی میاں صاحب کی کتابیں، اصلاحی تقریریں اور کتابچہ رکھے گئے ہیں، دارالمطالعہ اور ایجنسی کے کاموں کی انجام دہی کیلئے بھی باضابطہ ایک محنتی مخلص اور باتنخواہ ملازم موجود ہیں، ـــــ یہ کام گو کونسل کے معروف دائرہ کار اور ڈھانچہ سے باہر ہے تاہم حیدرآباد کے خصوصی حالات کے تحت اس کار کی تقویت اور استحکام کیلئے ان مفید کاموں کا بھی آغاز کیا گیا ہے اور حضرت مولانا مدظلہ کی اجازت اور حوصلہ افزائی بھی اسمیں شریک کار ہے؛

کونسل کے موجودہ مرکزی دفتر "ارم کاٹج" میں پابندی سے گزشتہ آٹھ سال سے ہفتہ واری دینی درس اور مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے جو ہر منگل کو بعد نماز مغرب تا عشاء منعقد ہوتا ہے اور جو شہر کے دین دوست اہل ذوق اور اہل نظر مردوں اور خواتین کا نہایت منتخب اور نمائندہ اجتماع ہوتا ہے ان اجتماعات میں ایک ہفتہ جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد درس حدیث دیتے ہیں، ایک ہفتہ مفتی عبدالوہاب رحمانی قرآن مجید میں مذکور انبیاء اور ان کی اقوام کے حالات اور اس کی تذکیری پہلو پر روشنی ڈالتے ہیں ایک ہفتہ تاریخی اور دعوتی موضوع پر جناب مولانا محمد رضوان القاسمی ناظم دارالعلوم سبیل السلام کا خطاب ہوتا ہے، نیز ہر انگریزی ماہ کے پہلے منگل کو فقہ پر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام "فقہی مذاکرہ" کے عنوان سے ہر طرح کے دینی سوالات کا جواب دیتے ہیں جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں اور تشفی بخش جواب حاصل کرتے ہیں، اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً مختلف مقامی علماء خصوصاً جناب مولانا سید اکبر الدین قاسمی، نائب ناظم مجلس علمیہ آندھرا پردیش اور مہمان علماء و مقررین کے خطاب اور مواعظ سے استفادہ کیا جاتا ہے یہ اجتماعات گویا ذی شعور اور بالغ نظر لوگوں کیلئے خصوصی درس کا درجہ رکھتے ہیں، اب تک بیرون ریاست کے جن علماء نے اس اجتماع سے خطاب کیا ہے ان میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی، حضرت مولانا مجاہد الاسلام القاسمی، حضرت مولانا ابوالسعود صاحب، حضرت مولانا عبدالکریم پاریکھ، جناب مولانا محمد اسلم قاسمی، جناب مولانا سلمان حسینی ندوی صاحب، جناب مولانا مفتی اشرف علی (بنگلور)، مفتی سعید احمد

خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ـــــ جناب جمیل الدین صاحب نے اپنے مکان کا ایک حصہ جو ۱۰۰۰ مربع فٹ پر مشتمل ہے اور جس میں کئی ہال اور کمرے بنے ہوئے ہیں، نیز شارع عام سے متصل دو ملگیاں کونسل اور اس سے متعلق کاموں کیلئے وقف کر دی ہیں اسکے علاوہ بجلی کی بار بار کٹوتی کی وجہ سے ایک بڑا جنریٹر بھی نصب کر دیا گیا ہے تاکہ ان کاموں میں کوئی خلل واقع نہ ہونے پائے؛

جناب سید جمیل الدین صاحب نے مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کی حیدرآباد تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو جلسہ "پیام انسانیت" کے عنوان کے تحت کرائے پہلا حیدرآباد کی ایمرالڈ ہوٹل میں ڈاکٹر نونیت راؤ، وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی کی زیر صدارت اور دوسرا جناب احسن الدین احمد ریٹائرڈ I. A. S. آفیسر کی زیر صدارت ان جلسوں میں غیر مسلم دانشوروں کی معتد بہ تعداد نے شرکت کی اور سب مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب کے "پیام انسانیت" پر زریں خیالات سے مستفید ومتاثر ہوئے؛

جناب جمیل الدین صاحب امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان تمام کاموں کو بطور خود انجام دے رہے ہیں، اس کے سالانہ اخراجات جو اب ایک لاکھ سے متجاوز ہیں، تنہا برداشت کر رہے ہیں، نیز اپنے مکان کا وسیع حصہ جس سے خطیر اور قابل لحاظ کرایہ وصول ہو سکتا تھا فی سبیل اللہ وقف کر رکھا ہے، اور انہوں نے اب تک کسی کی طرف سوال اور چندہ کا ہاتھ نہیں پھیلایا ہے تاکہ لوگ اچھی طرح اسکی افادیت اور ضرورت واہمیت کا مشاہدہ کرلیں جو بلاشبہ محض اللہ کی نصرت اور اس کی توفیق ہے! ـــــ کونسل کی ایک سالہ کارکردگی کے تکمیل کے بعد اب ریاست کے دوسرے شہروں، اضلاع اور قریہ جات میں اس کی توسیع پیش نظر ہے، اور اس کیلئے جدوجہد جاری ہے جو ظاہر ہے، ان دردمند مسلمانوں کے اخلاقی، فکری اور مالی تعاون کے بغیر انجام نہیں پا سکتا جو اس بات کی تڑپ رکھتے ہوں کہ اس ملک میں اللہ کا دین محفوظ رہے جن کو نئی نسل کی دین سے بے خبری اور غفلت تڑپا دیتی ہو، جو اس بات کیلئے تیار نہ ہوں کہ اس ملک کا رشتہ نبی عربی (فداہ روحی وابی) کے دین متین سے کٹ جائے اور جو جنت کی قیمت پر اپنی دنیا کا کچھ حصہ خدا کے دین کی سربلندی پر قربان کرنے کیلئے تیار ہوں

بقیہ
جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مت جھکو

کل وہ خرید سکتا ہے جنہوں نے نیلام پر اپنے کو چڑھا رکھا ہے، جن کا نہ کوئی اصول زندگی ہے نہ کردار، نہ امانت ہے نہ دیانت، انکی تقلید کی جائے میں صحیح کہتا ہوں کہ اگر صحیح قوت ایمانی ہو، اور واقعی استغنا ہو اور اگر اللہ نے کچھ جوہر دیا ہو تو یہ لوگ خوشامد کریں کہ ہم ملنا چاہتے ہیں اور ہمارا عالم دین کہدے کہ ہمیں فرصت نہیں ہے ـــــ اور یہ تھی شان ہمارے بزرگوں کی۔ حضرت مظہر جان جاناں کی مجلس میں بادشاہ دہلی آئے، انہوں نے ذرا سا پاؤں پھیلایا تو مرزا صاحب نے فرمایا یہ فقیر کے آداب مجلس کے خلاف ہے، بادشاہ نے کہا حضرت میرے پاؤں میں درد ہے تو فرمانے لگے پھر آنے کی ضرورت نہیں تھی۔

ہارون رشید نے سیدنا امام مالکؒ سے عرض کیا کہ ہمیں آکر پڑھا دیا کیجئے حضرت امام نے فرمایا العلم یُؤتیٰ ولا یاتی، علم کے پاس جایا جاتا ہے وہ آتا نہیں ہے۔ کہا بہت اچھا۔ خود پہونچے، اور جب پڑھنے کا وقت آیا تو بادشاہ نے کہا لوگوں کو باہر کرا دیجئے میں تنہا پڑھوں گا تو حضرت امام صاحب نے فرمایا۔ نہیں، ہمارے یہاں یہ طریقہ نہیں ہے انکی برکت سے یہی سب کچھ ہے۔ پھر ہارون رشید نے قرأت شروع کی۔ لوگ بیٹھے رہے اسی طرح کے بیسوں واقعات سنائے جا سکتے ہیں، آپ بزرگوں کے حالات پڑھئے۔ تو اندازہ ہوگا۔

نظام الدین اولیاءؒ سالہا سال دہلی میں رہے، اور علاء الدین خلجی اور قطب الدین ایبک کی تمنا رہی کہ ہم حضرت کے پاس جائیں، ایک دفعہ امیر خسرو نے خواجہ صاحب سے عرض کیا، بادشاہ کا کہنا ہے کہ ایک بار ہم اچانک پہونچ جائیں گے۔ مجھ کو اجازت نہیں رہی ہے۔ فرمایا۔ کہدینا کہ ہمارے گھر کے دروازے میں ایک آنے کا ہے ایک جانے کا، وہ ایک دروازے سے آئیں گے میں دوسرے سے نکل جاؤں گا۔ ایک مرتبہ بادشاہ

خواجہ صاحب نے رخت سفر باندھ لیا اور دوسری جگہ چلے گئے۔ ابھی بھی ماضی قریب میں فرنگی محل کے ایک عالم تھے۔ انکو بہت تنگی تھی، لوگوں نے کہا کہ بادشاہ کے یہاں جائیے، وزیر سے ملئے وہ تیار نہیں ہوتے تھے، ایک دفعہ بڑی مشکل سے تیار ہوئے۔ ان کے لئے چوغہ لایا گیا، اور کہا گیا اسکو پہن کر چلے چلئے، انہوں نے دیکھا جب نہیں مانے تو والدہ اور بڑے بھائی سے کہلوایا کہ لیکن مجبوراً انہیں جانا پڑا۔ وزیر کے پاس جاکر نذر دکھانے کی ضرورت ہوتی تھی، انہوں نے بائیں ہاتھ سے نذر دی، کسی نے متوجہ کیا بائیں ہاتھ سے، فرمایا۔ میاں اگر دائیں ہاتھ سے نذر وزیر کو دوں گا تو پھر پیرزادوں کو کس ہاتھ سے دوں گا۔ اس لئے بائیں ہاتھ سے ہی دے سکتا ہوں دایاں ہاتھ مخصوص ہے اپنے پیرزادوں اور استادوں کے لئے۔

ہمارے یہاں یہ خودداری کی روایات نہیں، اور یہ روایات آج بھی قائم رہنی چاہئیں خیر صرف یہی نہیں کہ عربی زبان چلتی رہے، اور عربی کتابیں چلتی رہیں۔ بلکہ اسکے ساتھ ساتھ یہ روایات اور خصوصیات بھی چلتی رہنی چاہئیں۔

بقیہ
اداریہ ص ۲ کا

اور اسکے فائدہ کو ایک حد تک اپنا فائدہ سمجھے گا، کوئی ترشی، تلخی اتفاقاً پیدا ہو جائے گی تو اس کو نظر انداز کر دے گا، اور کسی موقع پر عداوت کے کچھ اسباب پیدا ہو جانے پر کوشش کرے گا کہ وہ اسباب اثر انداز نہ ہوں، اور اثر انداز ہو جائیں تو جلد از جلد ان کا ازالہ ہو جائے۔ اسکے کاروبار کو گرنے سے بچائے گا۔ اسکے سودے پر مداخلت کرکے اپنا سودا نہ شروع کر دے گا، اس کی خوشی وغم کو اپنی خوشی وغم سمجھے گا۔

یہ وہ باتیں ہیں جو کسی کو بھائی سمجھنے کی صورت میں خود بخود ظہور میں آجاتی ہیں۔ اور ان میں سے اکثر کا علیحدہ علیحدہ حکم بھی اللہ اور اسکے

شہید صدر ضیاء الحق

ماہ و سال کی روشنی میں

پیدائش	۱۲ر اگست ۱۹۲۴ء
فوج میں کمیشن ملا	مئی ۱۹۴۵ء
گریجویشن اسٹاف کالج کوئٹہ	۱۹۵۵ء
یو ایس کمانڈ اینڈ اسٹاف کالج امریکہ سے تربیتی کورس مکمل کیا۔	۱۹۶۳ء
بریگیڈیر کے عہدہ پر ترقی۔	۱۹۶۹ء
میجر جنرل کے عہدے پر ترقی	۱۹۷۲ء
لیفٹیننٹ جنرل کے عہدہ پر ترقی۔	اپریل ۱۹۷۵ء
چیف آف آرمی اسٹاف	یکم مارچ ۱۹۷۶ء
چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر	۵ جولائی ۱۹۷۷ء
پاکستان کے چھٹے صدر کی حیثیت سے حلف اٹھایا	۱۶ر ستمبر ۱۹۷۸ء
ریفرنڈم	۱۹ر دسمبر ۱۹۸۴ء
غیر جماعتی انتخابات کرائے	۲۷ر فروری ۱۹۸۵ء
قومی اسمبلی ختم کردیئے	۲۹ر مئی ۱۹۸۸ء

نئے غیر جماعتی انتخابات کرانے کی تاریخ ۔۔۔۔۔۔ ۱۶ر نومبر ۱۹۸۸ء مقرر کی۔

شہادت ۔۔۔۔۔۔ ۱۷ر اگست ۱۹۸۸ء

شہید صدر کا ۱۳۰ C جہاز ۵۱ ۔ ۳ بجے دن ستلج کے کنارے چمب کلیار کے قریب بہاول پور سے چار کوس دور بستی لال کمال کے کھیتوں میں گر کر تباہ ہوگیا۔

صدر محمد ضیاء الحق سمیت دیگر ۲۹ر افراد میں سے کوئی زندہ نہ بچ سکا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

تدفین ۔۔۔۔۔۔ ۲۰ر اگست ۱۹۸۸ء

شہید صدر محمد ضیاء الحق
کو
فیصل مسجد اسلام آباد کے
احاطہ میں دفن کیا گیا۔

ٹی وی پہ جونہی نشر ہوئی موت کی خبر
شہروں میں برپا حشر تھا ماتم نگر نگر
گلیوں میں روتا پھرتا تھا ہر فرد ہر بشر
چہرے تھے آنسوؤں کی روانی سے تربتر

یہ موت کیا تھی؟ پیکر خدمت کی موت تھی
یہ موت کیا تھی؟ حسن مروت کی موت تھی
یہ موت کیا تھی؟ عجز داخوت کی موت تھی
یہ موت! ایک صاحب عظمت کی موت تھی

تنہا نہیں تھا صدر رفقاء بھی ساتھ تھے
پہنچے خدا کے پاس تو ہاتھوں میں ہاتھ تھے

اس موت سے فضائے وطن غم سے بھر گئی
یہ موت سارے ملک کو ویران کر گئی

سب اس خبر کو سن کے ہوئے ایسے دل فگار
آتا نہ تھا کسی کو بھی ٹی وی پہ اعتبار
ہر دل میں اضطراب تھا ہر آنکھ اشکبار
کہتے تھے موت حق ہے اور آئے گی ایک بار

اس حادثے کی دہر کو جونہی خبر ہوئی
ہر ایک مملکت میں تھی ماتم کی صف بچھی
ایسی مصیبتوں کی ہوا بزم میں چلی
جس کی ضیاء تھی چار سو وہ شمع بجھ گئی

لیکن یہ موت کتنے نشیمن جلا گئی
از شرق تا بہ غرب دلوں کو ہلا گئی

ہمدرد اپنا سب تھے عبث مانتے اسے
ایسا کہاں سے لائیں کہ اُس سا کہیں جسے

وہ منکسر مزاج کا مالک وہ بردبار
ترویج نظریات صداقت میں پختہ کار
دنیا کے اعلیٰ رہبروں میں جس کا تھا شمار
حاصل تھی ہر گھڑی جسے تائید کردگار
جو مشکلوں میں ملت بیضا کی ڈھال تھا
اسلام کا سپاہی تھا وہ بے مثال تھا

کتنا خدا شناس تھا وہ کتنا حق پرست
کتنا فراخ دل تھا اور کتنا کشادہ دست
جس کی نگاہ میں تھے برابر بلند و پست
ہر غم نصیب جس کو سمجھتا تھا سرپرست
حق بین و حق پسند تھا مومن مزاج تھا
تقویٰ و زہد کا وہ حسین امتزاج تھا

چہرے کی مسکراہٹیں جس کی صدا بہار
کرتا تھا بے کسوں پہ وہ اپنی خوشی نثار
جس چیز پر بھی رکھتا تھا وہ اپنا اختیار
وہ بانٹتا تھا ہر کس و ناکس میں بار بار
معذور کا معین تھا، محروم کا رفیق
مسکین و بے نوا کا تھا وہ ہر گھڑی شفیق

وہ ایک شخص جو کہ تھا ہر آنکھ کی ضیاء
مخلص تھا اور حُبِّ وطن میں تھا بے ریا
اس کا خطاب ہوتا تھا ہر دل کا دل ربا
اس سادگی پسند کی سادہ تھی ہر ادا
وہ سرپرست سب کا سہارا چلا گیا
دل کا سکوں آنکھ کا تارا چلا گیا

رہتا تھا بارگاہِ خدا میں وہ سجدہ ریز
ہر ایک کار خیر کو کرتا تھا تیز تیز
وہ خدمت عوام سے کرتا نہ تھا گریز
ہر دم تھا کفر و شرک سے آمادۂ ستیز
سینے میں اس کے ملت بیضا کا درد تھا
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ہمت کا وہ پہاڑ تھا اور عزم کی چٹان
جس کا اثاثہ دین مبیں کی تھی آن بان
اس کارگاہِ دہر میں اللہ رے اسکی شان
ارضِ وطن کے واسطے قربان کردی جان
تھا جس کے دل میں ولولہ اللہ کی دید کا
اللہ نے اس کو دے دیا درجہ شہید کا

اب تک ہے یاد اس کا یو۔ این۔ او میں وہ خطاب
عنواں تھا جس خطاب کا فرمان الکتاب
وہ اس لئے ہے عالم امکاں میں لاجواب
شامل تھا اس میں بندۂ مومن کا اضطراب
وہ اک خطاب قوموں کو منزل دکھا گیا

رہتا تھا یاد خالق اکبر میں وہ مگن
تھا اسکے دل میں جذبہ شہادت کا موجزن
برسوں رہا محافظ آزادئ وطن
مسجد کے سائے میں ہوا آخر وہ خیمہ زن
اعزاز اس کو بخشا یہ رب کریم نے
مولائے کائنات و غفور الرحیم نے

جرنیل تھا جری تھا وہ صاحب نبرد تھا
میدان کارزار کا بیباک مرد تھا
وہ عسکری فنون میں یکتا تھا فرد تھا
وہ بالیقین چشیدۂ ہر گرم و سرد تھا
گھر کر جو مشکلات میں بھی مسکرا دیا
اس کو خدا نے وقت کا "ہیرو" بنا دیا

عشق رسولؐ اس کا تھا سرمایۂ حیات
روتا تھا سر کو سجدے میں رکھ کر تمام رات
پکا تھا اپنے قول میں سچی تھی اس کی بات
عجز و فروتنی تھے فقط اس کی کائنات
تھا صدر مملکت بھی تہجد گزار بھی
وہ حکمراں تھا قوم کا اور غمگسار بھی

کس شان سے رواں ہوا وہ سوئے آخرت
جاری زبان خلق پہ تھی اس کی منقبت
کاندھوں پہ تھا عوام کے وہ صدر مملکت
سب مانگتے تھے جس کے لئے حق مغفرت
وہ مرد حق شناس تھا ہر اک کی رائے میں
جو سو گیا ہے مسجد فیصلؒ کے سائے میں

چاروں طرف ہجوم تھا مسجد کے بے پناہ
پہلے کسی جنازے کا دیکھا نہ تھا یہ جاہ
شامل تھے اس میں اور بھی ملکوں کے سربراہ
تھے کتنے تاجدار یہاں کتنے کج کلاہ
اتنا ہجوم دیکھ کے حیران تھا فلک
تھے آدمی ہی آدمی دیکھیں جہاں تلک

اس صدمۂ عظیم سے ہر شخص تھا نڈھال
آنسو رواں ہر آنکھ سے ہر چہرہ پر ملال
سب کا تھا درد ایک ہی سب کا تھا ایک حال
کٹ جائے اجتماع سے کس کی تھی یہ مجال
یہ موت اختلاف کا ہر داغ دھو گئی
ملت کو بحر یاس و الم میں ڈبو گئی

اٹھی ہے یہ دعا دل راجہ شریف سے
حق ہم کو صبر و شکر کی دولت عطا کرے
قبر ضیاء کو اپنی عنایات سے بھرے
ہر دم فزوں ہوں ان کے رفیقوں کے مرتبے
پھر کوئی پھول برسر صحن چمن کھلے

قارئین تعمیر حیات سے

ادارہ

الحمدللہ کہ پندرہ روزہ تعمیر حیات حالات حاضرہ کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ عہد کے تقاضوں اور مسائل کے مدنظر اپنے قارئین کو مناسب و مفید غذا فراہم کرنے میں کوشاں ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہمارے قارئین اس سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ ان کی پسند اور اس سے والہانہ تعلق کے خطوط برابر ملتے رہتے ہیں جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ لیکن تعمیر حیات چونکہ اس طرح کے خطوط شائع کرنا مناسب نہیں سمجھتا اس لئے وہ خطوط شائع نہیں کئے جاتے۔ بہر حال ادارہ تعمیر حیات اپنے ان قارئین کا بہت قدرداں ہے، اور ان کی ان تحریروں سے کارکنان ادارہ تعمیر حیات کے حوصلے بڑھتے ہیں

تعمیر حیات

ترجمان ندوۃ العلماء ہے تعمیر حیات،
مدتوں سے جانتے ہیں قدرداں اسکے یہ بات
بوالحسن کی سرپرستی کا شرف کچھ کم نہیں — جانی پہچانی عرب ملکوں میں بھی ہے انکی ذات
یہ ادیب و عالم و خوش فکر و خوش اخلاق ہیں
بامروت مخلص و ذی مرتبہ اعلیٰ صفات
ان کے اور انکے رفیقوں کی ہے کوشش کارگر — پندرہ روزہ نکلتا ہے جو تعمیر حیات
ہم کو اس کے سولہ صفحوں میں بصد حسن شعور
دین و اخلاق و شریعت کی نظر آتی ہے بات
اہل ملت! کیا ضرورت ہے کسی تلقین کی — چاہیئے ہم سب خریدیں خود سے تعمیر حیات
ہم مسلمانوں میں یہ پرچہ بہت مقبول ہے
اس کی شہرت عام ہے مشہور ہیں اس کے صفات
اہل بینش کے لئے یہ آخری فقرہ کہوں — ہے یہ پرچہ بالیقیں معمار تعمیر حیات
فرض انسانی شرافت کا یہی ہے اے طفیل
دن کو دن کہیئے ہمیشہ رات کو بس کہیئے رات

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

ہم اپنے قارئین سے یہ گزارش کرنا چاہتے ہیں کہ تعمیر حیات جیسے رسالوں کا جو وہ موجودہ پرآشوب دور میں روحانی غذا فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ دور جدید کے فتنوں سے آگاہ کرتے ہیں، اور اعتدال و توازن کی راہ دکھاتے ہیں، زیادہ سے زیادہ افراد اور گھروں تک پہنچانے کی کوشش کریں کہ یہ بھی ایک اہم دعوتی کام ہے۔ تعمیر حیات کا ہر قاری اگر یہ فیصلہ کرلے کہ اس کو تعمیر حیات کے لئے ایک خریدار ضرور بنانا ہے تو چند دنوں میں تعمیر حیات کی اشاعت دوگنا ہوجائے گی، جس سے اس کے خسارہ میں بھی کمی ہوگی، اور اس کے دعوتی مقصد کو بھی فائدہ پہنچے گا، جو تعمیر حیات کے اجراء کا اصل محرک ہے۔

یاد رکھیئے کہ یہ دور علم و مطالعہ کا دور ہے۔ اگر ہم اپنی نئی نسل کو صحیح ذہنی غذا مہیا نہیں کریں گے تو وہ اپنے اس جذبۂ مطالعہ کی تسکین کے لئے غلط لٹریچر پڑھے گی اور اس کا ایک طرف مطالعہ دین سے، اسوۂ نبوی سے، اپنے اسلاف کے کارناموں سے اور امت کے سواد اعظم سے اس کا رشتہ کاٹ دے گا، خصوصاً ہمارے ملک کے حالات جس رخ پر جارہے ہیں، اور ملک کے مستقبل کی جو تصویر بنائی جارہی ہے وہ ہماری جدید نسل کے لئے نہایت بھیانک ہے۔ لہٰذا نئی نسل کو صالح غذا پہنچانا اور خود بڑوں کو سوچنے کا صحیح رخ دینا نہایت ضروری ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ تعمیر حیات اس کام کو مناسب طور پر انجام دے رہا ہے۔

لہٰذا اپنے قارئین سے اس کی توسیع اشاعت میں حصہ لینے کی توقع بے جا نہ ہوگی۔ ہمارے بعض قارئین ایسے بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً تعمیر حیات کو بطور تعاون رقم بھیجتے رہتے ہیں۔ ادارہ ایسے مخلصین کا بڑا قدرداں ہے۔ یہ حضرات اس تحریر کی شکل میں دعوتی کام میں حصہ لے کر عنداللہ ماجور ہو رہے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اس اپیل کے بعد جدید خریداروں کے منی آرڈر ہماری

بقیہ عقیدہ اور عمل۔ صـ۲ کا

حدیہ ہے کہ ہم اب اپنے ہی سائے سے ڈرنے لگے ہیں، معرکہ خیبر میں یقین اور وثوق کے ساتھ آپ نے یہ فرمایا۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر (عنقریب لشکر شکست خوردہ دم دبا کر بھاگ جائے گا) یہ اسی سیرت طیبہ کا اہم عنصر ہے جسے آج ملت اسلامیہ میں پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

سیرت رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا دوسرا بنیادی وصف عمل ہے جسکی حیثیت قوموں، ملکوں اور گردش ایام میں حاکم اور فاتح کی ہے، دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کردار اور عمل کے سامنے ظاہری تب وتاب اور گل افشانی گفتار کی کوئی حیثیت نہیں ایک بے سروسامانی زندگی میں عمل سے جو انقلاب برپا ہوتا ہے وہ گفتار اور شوخیوں کے طوفانوں کو بھی پسپا کردیتا ہے اس ترقی یافتہ متمدن دنیا میں لکچر، لٹریچر، پمفلٹ، سپوزیم اور اور مذاکروں کی کمی نہیں یہ ایسے آلات ہیں جنکی چمک اگرچہ نگاہوں کو خیرہ کئے ہوئے ہے لیکن اس کی کاٹ دلوں تک تو کیا پہنچے ظاہری چمڑی کو بھی متاثر نہیں کرپاتا اسلئے یہ کہتے ہوئے قوت معلوم ہوتی ہے " اَلعَمَلُ هُوَ الصَّيقَلُ المُهَنَّد يَستَولى عَلى قُلُوبِ الرِّجَالِ" عمل ہی وہ شمشیر براں ہے جس کا لوگوں کے دلوں پر براہ راست غلبہ ہوتا ہے، علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

آدمی نہیں سنتا آدمی کی باتوں کو۔
پیکر عمل بن کر غیب کی صدا ہو جا

اثر انداز ہونے کیلئے عمل براہ راست فعال ہے، عمل باطل نظام کو زیر وزبر کرنے کے لئے صاعقہ ربانی ہے، عمل ایک باطنی قوت ہے جس کا قالب سے زیادہ قلب پر اثر ہوتا ہے، عمل ایک حقیقت ہے جسکے اشارے کی زبان صرف دل و دماغ سمجھتے ہیں، عمل سیاہ رات میں منزل رسی کے لئے جگنوں کا کام کرتا ہے، عمل سے ہی زندگیوں میں انقلاب آتا ہے وہ اسی دھرتی پر ختم الرسل کے اخلاص سے معمور اعمال کی کرشمہ سازی تھی جس نے غبار راہ کو فروغ وادی باطل پسپا ہوتا ہے، عمل صدائے غیب ہے جسکی حکمرانی کے وسیع ترین قلمرو کو بصیرت والے ہی دیکھتے ہیں، عمل بے سروسامانی میں بھی پہاڑوں کو دونیم اور دریاؤں کو دو رخ پر کردیتا ہے یہ وہ جوہر فرد ہے جس کا سچا نمونہ جب اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تو وادی یثرب سے لے کر ترک و دیلم اور قیصر و کسریٰ کے ایوان شاہی بھی لرز اٹھے، عمل ہی آپ کی سیرت طیبہ کا وہ اہم عنصر ہے جس سے سراپائے رسول تشکیل پاتا ہے، عمل خس خانوں، دہلیزوں اور دامان کوہ میں رہ کر بھی کامیاب ترین حکومت کرتا ہے، عمل ناقابل شکست قوت ہے، عمل ہی جنت ہے اور وہی جہنم ہے وہی ولی وہی شیطان وہ برگزیدہ اور وہی راندۂ درگاہ اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس عمل صالح کا نمونہ ہے جس کی طرف قرآن کریم نے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

آپ کی ذات گرامی سراپا عمل تھی بلکہ وہ پاور ہاؤس ہے جہاں سے حسب استعداد عمل کی قوت بہم پہنچتی ہے اسی لئے آپ نے عبادات، معاملات، اخلاقیات آداب وغیرہ تمام شعبہ زندگی میں ساری دنیا کو اپنے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دی اور احکام سیکھنے کا حکم بھی دیا۔

نماز کے بارے میں صحابہ کرام کے ذریعہ ساری امت کو صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي کہہ کر عمل کی ترغیب دی، حج کی اداؤں کو اپنانے کے لئے ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔ "خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ" مجھ سے اپنے حج کے ارکان اور احکام سیکھو، آداب زندگی کی تلقین کرتے ہوئے آپ نے فرمایا " إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ أُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ" میں تمہارا روحانی باپ ہوں تمہیں ہر ادب سکھاتا ہوں دیکھو قضاء حاجت کے لئے جاؤ تو قبلہ کی طرف اپنا رخ اور اپنی پشت نہ کرو آپنے جہاں زندگی کے لئے مفید اعمال کی ترغیب دی وہیں عمل سے خالی زندگی پر سخت نکیر بھی فرمائی اور مال وزر کی آسودہ زندگی پر بھروسہ کرنیوالے نادانوں کو تنبیہ بھی فرمائی اور آیات قرآنی کی روشنی میں بتا بھی دیا کہ سیم وزر اور آل اولاد دنیا کی عارضی اور موہوم چمک دمک میں جو ختم

ہیں جسے بندہ عمل کی صورت میں اختیار کرتا ہے، قوموں کو آپ کا یہی عملی پیغام ہے آپ نے نسبت اور قومی مفاخرت پر اترانے والوں کو فریب سے نکالتے ہوئے اسی عمل کی ترغیب دی یہی نہیں اپنے عزیزوں، خاندان والوں اور عم محترم حضرت عباس و فاطمہ تک کو فرمایا کہ اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ نبی کے چچا یا صاحبزادی ہو، فاطمہ سے فرمایا اِعمَلِي لَا أُغنِي عَنكِ مِنَ اللّٰهِ شَيئًا فاطمہ عمل کرتی رہو میں قیامت میں تمہارے کام نہ آسکوں گا۔ ایک اور مقام پر پوری امت کو عمل کی ترغیب دیتے ہوئے بے عملی اور چیزوں پر تکیہ کر بیٹھنے کے برے انجام سے ڈراتے ہوئے فرماتے ہیں " من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه" جو اپنے عمل سے سست ہوگا اس کا نسب اسکے کام نہیں آسکے گا، ان روایات سے سیرت کے اس اہم گوشے پر روشنی پڑتی ہے جسے اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فاتح عالم بتایا ہے۔ عارف مشرقی فرماتے ہیں ؎

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

سیرت کا یہی وہ پہلو ہے جس نے یکساں دوست دشمن، اپنے پرائے، حاکم ومحکوم، ظالم ورحم دل سب کو متاثر کیا اور آپ کی عملی قوت نے مردہ دلوں کو مسیحائی کمزوروں کو توانائی، اور بصیرت سے محروم دنیا کو بینائی عطا کی یہ صرف آپ کی عملی سیرت کا فیضان ہے کہ شرق وغرب، عرب عجم سب کو نوازا اس قطعی حقیقت کو دل و دماغ سے قریب تر کرنے کے لئے عملی سیرت کے چند گوہر پارے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی الحمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبوت سے پہلے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی تجارتی معاملہ کیا تھا ابھی وہ معاملہ پورے طور پر طے نہیں ہوا تھا کہ میں کسی ضرورت سے وعدہ کرکے چلا گیا کہ میں ابھی آتا ہوں اتفاقاً تین دن تک مجھے اپنا یہ وعدہ یاد نہ آیا تیسرے دن جب یاد آیا تو میں اس جگہ پہنچا جہاں میں نے آپ کو چھوڑا میں نے دیکھا کہ آپ میرا انتظار فرمارہے ہیں میری اس پیمان شکنی پر بغیر کسی ناراضگی کے ارشاد فرمایا " تم نے دن سے تمہارا منتظر ہوں، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اس عملی سیرت میں حسن معاملہ اور وفاکشی کا یہ وہ انمول نمونہ ہے جو سارے تاجروں اور اہل معاملہ کو روشنی اور ترقی کی راہ دکھلاتا ہے۔

ایک سفر میں صحابہ نے کھانا پکانے کا انتظام کیا اور سبھوں نے ذمہ ایک ایک کام لیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " وَعَلَيَّ جَمعُ الحَطَبِ" میں جنگل سے لکڑیاں لاؤں گا، صحابہ نے عرض کیا آپ پر ہمارے ماں باپ قربان آپ کو زحمت فرمانے کی ضرورت نہیں ارشاد فرمایا یہ صحیح ہے لیکن خدا اس بندے کو پسند نہیں کرتا جو اپنے کو دوسرے سے نمایاں اور بالاتر سمجھتا ہو، غور کیجئے آپ نے سیرت کے اس عملی پہلو میں دوستی اور محبت کی سچی بنیاد پیش کرکے بتایا کہ دلوں کو فتح کرنے کے لئے دوستوں کے شانہ بشانہ ہر کام میں بڑے کو بھی شریک ہونا چاہئے۔

سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد دنیا والوں نے دولت کی فراہمی اور زرکشی پر رکھا ہے اس ناکارہ اور خود غرضانہ نظام نے دنیا کی معیشت کو اس طرح تباہ کررکھا ہے کہ دولت پر صرف چند سرمایہ داروں کا قبضہ ہو کر رہ گیا ہے اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے انسانی ضمیر کو بتایا کہ دولت جمع کرنے سے نہیں بلکہ اچھے کاموں میں خرچ کرنے سے بڑھتی ہے ارشاد گرامی ہے لا ینقص مال من صدقة آپ نے سود کو حرام بتایا غلط کاروبار کو ناجائز قرار دیا، رشوت، فراڈ، ذخیرہ اندوزی اور چوری سے سخت نفرت کا اظہار فرمایا اور اعلان فرمایا کہ أَعطُوا الأَجِيرَ أَجرَهُ قَبلَ أَن يَجِفَّ عَرَقُهُ، مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسکی مزدوری ادا کردی جائے اور سیرت کے اس عملی پہلو پر دنیا عمل کرے تو انسانیت کا ایک قابل رشک معاشرہ وجود میں آجائے۔

تفوق اور بالادستی کے جس ناسور میں دنیا مبتلا تھی آپ نے اسے مٹا کر احترام آدمیت اور مساوات انسانی کا عملی درس دیا آپ کی مجلس درس اور کھانے کے دستر خوان پر غلام اور آقا، شاہ وگدا، ادنیٰ اور اعلیٰ سب دیکھے

ندوہ کے شب و روز

سید راشد نسیم

۲۰ نومبر کو دارالعلوم کی علمی سرگرمیاں نکتہ عروج پر پہونچ گئی تھی، جب کہ جمعیۃ الاصلاح میں ایک علمی نشست رکھی گئی جس میں جناب پروفیسر خلیق احمد نظامی، سابق وائس چانسلر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی و سابق سفیر ہند برائے شام کو توسیعی خطبات کے سلسلہ میں زحمت دی گئی، اس موقر نشست کی صدارت حضرت مولانا مدظلہ العالی نے فرمائی، پروفیسر نظامی صاحب کے اس پر مغز تحقیقی و علمی مقالہ کا عنوان "ہندوستان میں علوم قرآنی کے اثرات" تھا۔ جس میں آپ نے ہندوستان کے تفسیری ذخیرہ کا جائزہ لیا۔ اور ان کے اثرات کی جانب اشارہ کیا مقالے کے پیش کرنے سے قبل صاحب مقالہ کا تعارف حضرت مولانا ابوالعرفان خاں صاحب (جنکو اب رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر قلم کو آمادہ کرنا پڑ رہا ہے) کرایا۔ جس میں پروفیسر صاحب کے عمیق و وسیع مطالعے اور تاریخ سے غیر معمولی شغف کا تذکرہ کیا اس نشست کی رونق ان مہمانوں کی شرکت سے دوچند ہوگئی تھی جو ہندوستان کے مختلف علاقوں سے "المرتضیٰ" کی رسم اجراء کی تقریب میں شرکت کی غرض سے جمع ہوئے تھے، جن میں کئی یونیورسٹیوں کے اساتذہ اور تحقیقی و علمی اداروں کے نمائندے بھی شامل تھے، یہ نشست مغرب سے عشاء تک دارالعلوم کے پر شکوہ عباسیہ ہال میں ہوئی، اور حضرت مولانا مدظلہ العالی کے کلمات پر اختتام پذیر ہوئی

•

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شب و روز معمول کے مطابق گذر رہے تھے علمی و تعلیمی سرگرمیاں جاری تھیں لیکن ۱۷ر نومبر بمطابق ۶ر ربیع الثانی کو دارالعلوم ایک ایسے عظیم حادثہ سے دوچار ہوا۔ جس سے ایک خاموش سا کہرام برپا ہوگیا۔ یہ حادثہ حضرت الاستاذ مولانا ابوالعرفان ندوی کے سانحہ ارتحال تھا، مولانا کا انتقال پر ملال تقریباً ۲ بجے شب میں ہوا۔ اور فجر سے

رواق اطہر کے مغربی کنارے جہاں پر مولانا کا کمرہ تھا طلبہ کا ہجوم ہوگیا۔ دارالعلوم میں تعطیل کر دی گئی، طلبہ مسجد میں تلاوت قرآن پاک میں مشغول ہوگئے۔ ساڑھے نو بجے نماز جنازہ کی ادائیگی کا اعلان ہوا، اسکے ساتھ ہی مسجد کے شمالی جانب وسیع میدان میں جوق در جوق پہونچنے لگے۔ طلبہ، اساتذہ اور اسٹاف کے علاوہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور شہر کی مختلف دینی و دعوتی تنظیموں کے نمائندے بھی پہونچ چکے تھے، ساڑھے دس بجے نماز جنازہ ادا کی گئی، اور گیارہ بجے طلبہ و اساتذہ کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ بس کے ذریعہ جنازے کو جونپور کے لئے روانہ کیا گیا۔ طلبہ اپنے محترم استاذ کے جنازہ کو کاندھوں پر لے کر موتی محل پل تک گئے۔

جونپور میں تقریباً دس بجے شب میں مولانا کی تدفین عمل میں آئی، مولانا کی بے وقت تو نہیں بلکہ غیر متوقع وفات نے ندوے کی فضا کو مغموم بنا دیا۔ مولانا کے اس حادثے کے بعد جب غم کچھ ہلکا ہوا تو طلباء دارالعلوم کی یونین "جمعیۃ الاصلاح" کے زیر اہتمام ایک تعزیتی جلسہ ۱۹ر نومبر کو منعقد کیا گیا۔ اس جلسہ کی صدارت مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نے فرمائی۔ تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ اور پھر مولانا خالد فیصل صاحب ندوی کی نظم سنائی گئی جو اس حادثہ پر قلمبند کی گئی۔ پھر ناظم جمعیۃ الاصلاح آفتاب عالم ندوی، اور نائب صدر سید راشد نسیم نے اپنے مقالے پیش کئے اس موقع پر مولانا عبدالغفار صاحب ندوی سکریٹری جماعت اسلامی (یو۔ پی) جو مولانا مرحوم کے ہم وطن اور ہم درس ہیں، نے خطاب فرمایا۔ مولانا مرحوم کی تعلیم و تربیت میں انکے والد ماجد کے حصے کو اجاگر کیا اس تقریر کے بعد پھر استاذ گرامی مولانا عبدالنور صاحب ندوی نے اپنی تفصیلی تقریر میں مولانا مرحوم کے امتیازی اوصاف پر روشنی ڈالی، اور ان کی وسعت قلبی و وسعت نظری

مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ازہری نے اپنی مختصر لیکن پر مغز تقریر میں فرمایا کہ مولانا فقہی مسالک میں معتدل رائے کے حامل تھے، اور ہر مسلک و مشرب کے وابستگان سے یکساں ربط و تعلق رکھتے تھے، آخر میں مولانا برھان الدین صاحب سنبھلی نے تقریر فرمائی، جسمیں مولانا مرحوم کے ایسے وصف امتیازی کی جانب اشارہ کیا یعنی مولانا میں تواضع کی جو صفت گرانمایہ پائی جاتی تھی اس کی نظیر طبقہ علماء و فضلاء میں عنقا ہے۔

اس تقریر کے بعد صدر جلسہ مولانا مرتضیٰ صاحب نے دعاء فرمائی جس پر یہ جلسہ اختتام کو پہونچا۔

حضرت مولانا کی حجاز مقدس سے واپسی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رابطہ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے حجاز مقدس ۱۱ر نومبر کو تشریف لے گئے تھے ان کے ہمراہ جناب مولانا محمد رابع حسنی ندوی، صدر شعبہ عربی بھی تھے حضرت مولانا کا مکہ میں قیام تقریباً ایک ہفتہ رہا، وہاں سے آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں اور مشغولیات کے علاوہ رابطہ ادب اسلامی کی مجلس امناء کی بھی نشست تھی جس میں حضرت مولانا اور مولانا رابع صاحب ندوی، کے علاوہ جناب مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب، استاذ کلیۃ اللغۃ العربیہ اور ایڈیٹر "البعث الاسلامی" اور جناب مولانا محمد واضح رشید صاحب ندوی، استاذ کلیۃ اللغۃ اور ایڈیٹر "الرائد" شریک تھے۔

پروگرام کے بعد حضرت مولانا مدظلہ کو متحدہ عرب امارات تشریف لے جانا طے تھا۔ لہٰذا امارات ہوتے ہوئے ۲ر دسمبر کو بخیر و عافیت واپس تشریف لائے اور مولانا سعید الرحمٰن صاحب اور مولانا واضح رشید ندوی حجاز مقدس سے ۷ دسمبر کو واپس ہوئے۔

مکتبہ حراء

المرتضیٰ	60/-	مکمل دین مستقل تہذیب	
نبی رحمت	60/-	(عبیداللہ الاسعدی)	30/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل پانچ جلد		علوم الحدیث	30/-
	235/-	اصول الفقہ	20/-
دستور حیات	28/-	تسہیل البلاغۃ	زیر طبع
پاجا سراغ زندگی	22/-	فضائل نکاح	5/-
مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی	10/-	تسہیل النحو	15/-
کاروان زندگی مکمل تین جلد	100/-	تسہیل التجوید	4/-
دہلی اور اس کے اطراف (مولانا عبدالحئی الحسنیؒ)	25/-	سیر تابعین	15/-

•

اردو، عربی، فارسی، ہندی، انگریزی

دینی۔ علمی۔ دعوتی۔ فکری۔ اصلاحی

ادبی۔ تاریخی۔ درسی۔

غیر درسی

کتابوں کا مرکز

مکتبہ حراء لکھنؤ

سوال و جواب

• — محمد طارق ندوی

سوال: نماز جمعہ میں امام ایک شخص ہو اور خطبہ کا دینے والا دوسرا شخص ہو، تو ایسی صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

جواب: اگر کسی عذر کی بنا پر ایسا ہو تو کوئی قباحت نہیں ہے، اور اگر بلا کسی عذر کے یہ تبدیلی ہو تو ایسا کرنا جائز ہے، لیکن خلاف اولیٰ ہے۔

سوال: خطبۂ جمعہ بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: خطبۂ جمعہ کسی عذر کے سبب بیٹھ کر پڑھنا بلا کراہت درست ہے۔ اور بلا عذر کراہت ہے۔

سوال: ایک امام مسجد کے در کے اندر کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے، کیا شرعاً یہ صحیح ہے؟

جواب: امام کا مسجد کے در میں اس طرح کھڑا ہونا کہ پاؤں بھی اندر ہوں، مکروہ ہے۔

سوال: گروی رکھی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: گروی رکھی ہوئی چیز سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

سوال: اگر بھیڑ مر جائے تو کیا اس کے اون کا استعمال کیا جا سکتا ہے؟

جواب: ہاں بھیڑ مر جائے تو اس کے اون کو استعمال کر سکتے ہیں۔ کیونکہ در مختار میں ہے، کہ میتہ کے بال سوائے خنزیر کے پاک ہیں۔

وفی الدار المختار۔ وشعر المیتہ غیر الخنزیر علی المذھب وعظمھا وعصبھا وحافرھا وقرنھا الی قولہ طاھر۔

سوال: بعض لوگوں کا یہ رویہ ہوتا ہے کہ اگر ان کی کسی سے دشمنی ہو تو وہ اس شخص کو اپنے کسی قریبی رشتہ دار کے انتقال پر جنازہ اٹھانے کندھا دینے سے منع کرتے ہیں ان کا یہ رویہ شرعاً کیسا ہے؟

جواب: جنازہ اٹھانا، نماز جنازہ میں پہنچانا یہ سب باتیں شرعاً مسلمانوں کا حق ہیں۔ اور اس کے اندر بہت سے دینی اور دنیوی فائدے ہیں، جنازہ اٹھانے، کندھا دینے سے منع کرنا شرعاً معیوب اور ناپسندیدہ ہے۔ لہٰذا کسی شخص کا جنازہ اٹھانے سے منع کرنا صحیح نہیں ہے۔

سوال: کیا بچہ صبح کے وقت پیدا ہو تو اسکے کان میں اذان کے کلمات کے ساتھ ساتھ الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ بھی کہنا چاہیئے یا نہیں۔؟

جواب: بچہ کسی وقت پیدا ہو، اس کے کان میں جو اذان کہی جائے گی اس میں الصلوٰۃ خیر من النوم کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ مذکورہ کلمات کے اضافہ کا مقصد یہ ہے کہ صبح کا وقت چونکہ سونے کا وقت ہوتا ہے، اور ان الفاظ کو سن کر لوگ نیند پر نماز کو ترجیح دے کر مسجد آجائیں گے۔ اور چونکہ بچہ کے لئے اس کی ضرورت نہیں ہے اس لئے اس اضافہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

سوال: بعض لوگ ننگے پیر ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں، اور پھر بغیر پیروں کو صاف کئے ہوئے مسجد میں چلے آتے ہیں، جبکہ بسا اوقات ان کے پیروں پر گندگی لگی رہتی ہے شرعاً ان کا یہ عمل کیسا ہے۔؟

جواب: مسجد کی صفائی ستھرائی اور پاکی کا خیال رکھنا لازم ہے، اگر پیروں کے نجس ہونے کا گمان ہو تو پھر پیر دھو کر داخل ہو۔

سوال: کیا کوئی مریض اپنے اس حصہ کو ڈاکٹر کے سامنے کھول سکتا ہے جس کا پوشیدہ رکھنا شرعاً مطلوب ہے۔؟

جواب: ہاں، بحالت مجبوری قابل ستر حصہ کو ڈاکٹر کے سامنے کھول

ایک ہندو بھائی

ایس، کے شرما کا احساس

نئی دہلی کے ایک شہری مسٹر ایس۔ کے۔ شرما کا کہنا ہے کہ سلمان رشدی کی کتاب شیطانی آیات پر پابندی کے خلاف شور و غوغا مناسب نہیں ہے۔ روزنامہ "اسٹیٹسمین" کے ایڈیٹر کے نام ایک مراسلہ میں جو ۱۲ر اکتوبر کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ انھوں نے اخبارات کی ایک رپورٹ پر حیرت ظاہر کی جس میں پابندی کے خلاف عجیب و غریب دلائل دیئے گئے تھے

مسٹر شرما نے لکھا ہے کہ کوئی اکثریت یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ اقلیتیں کو کیا کرنا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو اسی کروڑوں غیر مسلموں کو اس کتاب میں پیش کی گئی غلاظت کو پڑھنے سے دلچسپی ہے۔ نہ تو پورے ۱۰ر کروڑ مسلمان اسے پڑھنے کے خلاف ہیں۔ مراسلہ نگار نے آگے لکھا ہے کہ:

میں چند سال یورپ میں رہ چکا ہوں، میرا تجربہ ہے کہ وہاں ہر وہ کتاب مقبول ہو جاتی ہے جس میں ہندوستان کی نکتہ چینی کی گئی ہو۔ جس کے پڑھنے سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بے اعتمادی پیدا ہوتی ہو یا جو برٹش راج کے گن گاتی ہو۔ اس قبیل کی ہر کتاب کا چھپنا اور ہر طرف سے داد تحسین وصول کرنا ضروری ہے۔ رشدی کی یہ کتاب بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

مصنف کی دوسری کتاب "مڈ نائٹ چلڈرین" بھی اسی نوعیت کی تصنیف تھی۔ ایسی کتابوں کو انعام و اکرام بہت آسانی سے مل جاتا ہے۔

مسٹر شرما نے مزید کہا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے لیڈر مسٹر ایل۔ کے ایڈوانی اقلیت نوازی کی جو اصطلاح استعمال کرتے ہیں، وہ دراصل انہی کتابوں کی دین ہے۔ کتاب پر پابندی اقلیت نوازی ہرگز نہیں ہے۔ اسمیں شبہ نہیں کہ کچھ منتخب افراد ہی اس کتاب کو پڑھیں گے۔ لیکن اس کے اثرات کا دائرہ لاکھوں لوگوں تک پھیلے گا جو ناخواندہ ہیں۔ یہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کی محترم و ممدوح شخصیتوں پر آخر اس طرح کیچڑ کیوں اچھالی جاتی ہے۔

بقیہ
عقیدہ اور عمل ص ۱۳ کا

اگر فیروز دیلمی جیسے بادشاہ آپ کے حلقے میں ہیں تو بلال حبشی بھی وہیں موجود ہیں آپ نے تمام طبقات انسانی کو بار بار یاد دلایا کہ "کونوا عباد اللہ اخوانا" اللہ کے بندو تم بھائی بھائی ہو جاؤ، درحقیقت عقیدہ کی پختگی اور اصلاح کے بعد سیرت کا یہی وہ عملی گوشہ ہے جسمیں آدمیت کی رفعت اور طبقہ انسانی کی معراج پوشیدہ ہے سچ یہ ہے کہ اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ گوشہ اس قدر دراز تر ہے کہ زبان و قلم بھی اسکی دسترس سے عاجز ہیں

ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے

[illegible]

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
بھول جاتا ہوں میں ستم اسکے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
آج کیا بات ہے کہ پھولوں کا
رنگ تیری ہنسی سے ملتا ہے
مل کے بھی جو کبھی نہیں ملتا
ٹوٹ کر دل اسی سے ملتا ہے
کاروبار جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بیخودی سے ملتا ہے
روح کو بھی مزا محبت کا
دل کی ہمسائیگی سے ملتا ہے